41

ہفت روزہ
ندائے خلافت
لاہور

9 تا 15 نومبر 2006ء

www.tanzeem.org

اس شمارے میں

ہم سب شریک جرم ہیں!

سانحۂ باجوڑ:
ایک قومی سانحہ، ایک شرمناک واقعہ

سالانہ اجتماع کے مقاصد

تنظیم اسلامی کا تعارف

امریکہ و برطانیہ کا اعترافِ شکست

صلیبیوں کی جنگی تیاریاں

ہمارا گھناؤنا کردار

تفہیم المسائل

مشاہدات و تاثرات

عالم اسلام

اسلام اور جاہلیت

اسلام زندگی اور کائنات کا جو تصور پیش کرتا ہے وہ بنیادی طور پر اُن تمام جاہلی تصورات سے متصادم ہے جو قدیم زمانے میں رائج رہے ہیں، یا دورِ حاضر میں پائے جاتے ہیں۔ اسلام جاہلیت کے ساتھ نیمے دروں نیمے بروں نوعیت کی کوئی مصالحت قبول نہیں کرتا۔ معاملہ خواہ اس کے تصور اور نظریہ کا ہو اور خواہ اس تصور اور نظریہ پر مرتب ہونے والے قوانین حیات کا۔ اسلام رہے گا، یا جاہلیت رہے گی۔ تیسری ایسی کوئی شکل جس میں آدھا اسلام ہو اور آدھی جاہلیت اسلام کو قبول یا پسند نہیں ہے۔ اس معاملے میں اسلام کا نقطۂ نگاہ بالکل واضح اور روشن ہے۔ وہ یہ کہتا ہے کہ حق ایک ایسی اکائی ہے جس کا تجزیہ نہیں ہوسکتا۔ حق نہ ہوگا، تو لازماً باطل ہوگا۔ حق اور باطل دونوں میں اختلاط و امتزاج اور بقائے باہم محال ہے۔ حکم یا اللہ کا چلے گا، یا جاہلیت کا۔ اللہ کی شریعت کا سکہ رواں ہوگا یا پھر ہوائے نفس کی عملداری ہوگی۔

اسلام کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ دنیا کے اندر قائم شدہ جاہلی نظاموں اور جاہلی قوانین سے بقائے باہم کے اصول پر معاملہ کرے۔ یہ موقف اسلام نے اُس روز بھی نہیں اختیار کیا تھا جس روز اُس نے دنیا میں قدم رکھا تھا، اور نہ آج یہ اُس کا موقف ہوسکتا ہے۔ جاہلیت خواہ کسی دَور سے تعلق رکھتی ہو وہ جاہلیت ہی ہے، اور وہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی بندگی سے انحراف اور اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے نظامِ زندگی سے بغاوت ہے۔ وہ خدا ناشناس مآخذ سے زندگی کے قوانین و شرائع، قواعد و اصول، عادات و روایات اور اقدار و معیارات اخذ کرنے کا نام ہے۔ اس کے برعکس اسلام اللہ کے سامنے سرافگندگی کا نام ہے۔ اسلام یہ ہے کہ تمام انسان صرف اللہ تعالیٰ کی بندگی کریں۔ اپنے تمام تصورات و عقائد، قوانین و شرائع اور اقدارِ حیات اور رد و قبول کے معیار اللہ سے حاصل کریں اور مخلوق کی عبودیت سے آزاد ہو کر ہمہ تن خالق کی بندگی کے لیے یکسو ہو جائیں۔

یہ اساسی حقیقت خود اسلام کی فطرت کا تقاضا ہے اور اسلام کے اُس کردار سے عیاں ہوتی ہے جو دنیا کے اندر اُس نے انجام دیا ہے یا انجام دینا چاہتا ہے۔ یہی حقیقت ہمیں ان تمام انسانوں کے سامنے جنہیں ہم اسلام کی دعوت پیش کریں، وہ خواہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم یکساں طور پر واضح کر دینی چاہیے۔

جادہ و منزل
سید قطب شہیدؒ

الھدیٰ (254)

سورۃ المائدہ

(آیات: 20-21)

ڈاکٹر اسرار احمد

بسم اللہ الرحمن الرَّحیم

﴿ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهٖ یٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِیْكُمْ اَنْۢبِیَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ۖۗ وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ یُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۲۰﴾ یٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِیْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰۤی اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِیْنَ ﴿۲۱﴾ ﴾

''اور جب موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ بھائیو! تم پر اللہ نے جو احسان کیے ہیں اُن کو یاد کرو کہ اُس نے تم میں پیغمبر پیدا کیے اور تمہیں بادشاہ بنایا۔ اور تم کو اتنا کچھ عنایت کیا کہ اہل عالم میں سے کسی کو نہیں دیا۔ تو بھائیو! تم ارض مقدس (یعنی ملک شام) میں جسے اللہ نے تمہارے لئے لکھ رکھا ہے چل داخل ہو اور (دیکھنا مقابلے کے وقت) پیٹھ نہ پھیر دینا ورنہ نقصان میں پڑ جاؤ گے۔''

یہاں موسیٰ علیہ السلام کی قوم کا عبرت انگیز واقعہ آ رہا ہے۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب وہ مصر سے بنی اسرائیل کو لے کر نکلے۔ انہیں کوہِ طور پر بلا کر تورات دی گئی۔ اس کے بعد حکم ہوا کہ اب فلسطین میں داخل ہو جاؤ کہ وہ ارض مقدس تمہارے لئے اللہ کی طرف سے موعود ہے' کیونکہ تمہارے جدّ امجد ابراہیم علیہ السلام یہیں تھے۔ پھر اسحٰقؑ اور یعقوبؑ بھی وہیں ہوئے۔ یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں تمہاری یہاں سے مصر منتقلی ہوئی۔ چنانچہ اب اپنا اصلی گھر (فلسطین) حاصل کرو۔ لیکن جب جنگ کا موقع آیا تو پوری قوم نے کورا جواب دے دیا کہ ہم جنگ کرنے کے لئے تیار نہیں۔ قوم کے جواب پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مزاج میں تلخی پیدا ہوئی اور طبیعت میں بیزاری ظاہر ہوئی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگرچہ رسول اپنی امت کے حق میں سراپا شفقت ہوتا ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ وہ غیور بھی ہوتا ہے (جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا معاملہ ہے کہ وہ رؤوف وودود بھی ہے لیکن عزیز اور ذوانتقام بھی ہے) لہٰذا قوم کے انکار پر آپ کی طبیعت پر بوجھ آنا فطری بات تھی۔

یہاں ایک بات نوٹ کرنے کی ہے کہ اس قوم کو بہت سے معجزات کا تجربہ ہوا تھا۔ پیاس لگی تو موسیٰؑ کی ایک ضرب سے چٹان میں بارہ چشمے پھوٹ نکلے۔ کچھ محنت نہیں کرنا پڑی۔ بھوک لگی تو من وسلویٰ نازل ہو گیا۔ دھوپ کی شدت محسوس ہوئی تو بادل سائبان بن کر ساتھ چل پڑے۔ راستے میں سمندر آیا تو اُس کے اندر خشک راستہ بن گیا۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس لاڈ پیار کی وجہ سے وہ بگڑ گئے اور جنگ کے موقع پر دشمن کا سامنا کرنے سے انکار کر دیا' باوجودیکہ اُن کے کم از ایک لاکھ افراد تو ایسے تھے جو جنگ کی صلاحیت رکھتے تھے۔ یہی حکمت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی پوری زندگی میں اس قسم کے معجزات نظر نہیں آتے بلکہ جو نقشہ دکھائی دیتا ہے وہ یہ ہے کہ آپؐ کے ساتھیوں کو جو کچھ کرنا ہے وہ ایثار و قربانی اور محنت و مشقت کر کے کرنا ہے۔ بھوک اور پیاس برداشت کر کے کرنا ہے۔ چنانچہ وہاں بے ہمتی اور بزدلی کا مظاہرہ دکھائی دیتا ہے اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھیوں میں ایثار و قربانی' جرأت و بہادری اور بلند ہمتی نظر آتی ہے۔

موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا' اے میری قوم کے لوگو! اللہ کے اُس انعام کا احساس کرو جو تمہارے اوپر ہوا' جبکہ اُس نے تمہارے اندر نبی اٹھائے۔ دیکھو خود میں نبی ہوں اور میرے بھائی ہارون نبی ہیں۔ یوسفؑ بھی نبی تھے۔ پھر یہ کہ اللہ نے تمہیں بادشاہ بنایا۔ اس وقت تک اگرچہ ان کی بادشاہت تو قائم نہیں ہوئی تھی تاہم یوسف علیہ السلام کو بڑا اقتدار حاصل ہو چکا تھا۔ اگرچہ وہ بادشاہ تو نہ تھے مگر پیرزادہ ہونے کے اعتبار سے بادشاہوں کے بھی مخدوم و ممدوح تھے اور ہو سکتا ہے یہ پیشین گوئی ہو کہ آئندہ تمہیں اللہ زمین کی سلطنت اور خلافت بھی دینے والا ہے' جیسا کہ حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ کے زمانے میں عطا کی گئی۔ اور تمہیں وہ ساری چیزیں دیں جو پوری دنیا میں تمام جہان والوں میں کسی کو نہیں دیں۔ اے میری قوم کے لوگو! داخل ہو جاؤ اس ارض مقدس (فلسطین) میں جو اللہ نے تمہارے لئے لکھ دی ہے۔ اللہ کا فیصلہ ہے کہ وہ تمہیں ملے گی۔ اور اب اپنی پیٹھوں کے بل واپس نہ پھرنا۔ اگر ایسا کرو گے تو خسارے میں رہو گے۔

فرمانِ نبویؐ

تقویٰ اور حسن اخلاق

چودھری رحمت اللہ بٹر

عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ جُنْدُبِ بْنِ جُنَادَةَ وَاَبِیْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ : ((اِتَّقِ اللّٰهَ حَیْثُمَا كُنْتَ، وَاَتْبِعِ السَّیِّئَةَ الْحَسَنَةَ تَمْحُهَا، وَخَالِقِ النَّاسَ بِخُلُقٍ حَسَنٍ)) (رواہ الترمذی)

سیدنا ابوذر جندب بن جنادہ رضی اللہ عنہ اور ابوعبدالرحمٰن معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم جہاں کہیں بھی ہو' اللہ تعالیٰ کا خوف دل میں رکھا کرو اور گناہ کے بعد نیکی کر لیا کرو' وہ نیکی اس گناہ کو مٹا ڈالے گی۔ اور لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آیا کرو۔''

تشریح: اللہ تعالیٰ کی ناراضی سے بچنے کا نام تقویٰ ہے۔ تقویٰ تمام نیکیوں کی بنیاد ہے۔ اِس لئے حکم دیا گیا ہے کہ انسان جہاں کہیں بھی ہو (اور جس حال میں ہو) اللہ کا تقویٰ اختیار کرے کہ اس طرح وہ گناہوں سے بچا رہے گا۔ شیطان کا وار اُس پر اثر نہیں کرے گا۔ اگر کہیں غفلت میں مبتلا ہو کر اُس سے گناہ کا صدور ہو جائے تو فوراً نیکی کا کام کرے' اِس لئے کہ نیکیاں بہت سے صغیرہ گناہوں کو مٹا دیتی ہیں۔ دوسرے یہ کہ معاشرتی زندگی میں بندۂ مومن کی بہترین صفت حسن اخلاق ہے' سو حکم ہے اعلیٰ اخلاق کو اختیار کیا جائے۔

اداریہ
ایوب بیگ مرزا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سانحۂ باجوڑ: ہم سب شریکِ جرم ہیں

ہماری حقیقی اور معصوم جمہوریت سے برآمد ہونے والے سٹی بنک کے تربیت یافتہ وزیراعظم شوکت عزیز نے سانحۂ باجوڑ پر لب کشائی کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ مدرسہ ضیاء العلوم تعلیم القرآن میں مارے جانے والے دہشت گرد اور عسکریت پسند تھے' ہم اِس بارے میں قوم کے سامنے مزید ثبوت پیش کریں گے۔ عوام کے محبوب وزیراعظم نے اپنے بیان میں جو لفظ ''مزید'' استعمال کیا ہے' ساری قوم اِس پر سر دھن رہی ہے۔ جو ثبوت پہلے فراہم کئے گئے تھے وہ یقیناً روشن خیال قیادت نے خلا میں قائم کی گئی عدالت میں پیش کئے ہوں گے' کیونکہ روشن خیال حکمرانوں کا آقا امریکہ عرصہ ہوا خلا میں چہل قدمی کر چکا ہے۔ نائن الیون ہو یا سانحۂ باجوڑ صدارتی کیپ میں ایک قلغی کا اور اضافہ ہو جاتا ہے۔ اب چیف جسٹس کی حیثیت سے صدر محترم نے فیصلہ صادر فرما دیا ہے کہ جو لوگ مدرسہ میں مارے جانے والے لوگوں کو معصوم کہتے ہیں وہ جھوٹے ہیں۔ یعنی وزیراعظم ابھی ثبوت جمع کر رہے ہیں لیکن صدر صاحب چونکہ پیشگی حملہ کے دل و جان سے قائل ہو چکے ہیں' لہٰذا اُنہوں نے فیصلہ سنانے کے لئے ''مزید ثبوت'' جمع کئے جانے کا انتظار کرنے کو انتہا پسندی قرار دے کر رد کر دیا ہے۔

سوال یہ ہے کہ صدر اور وزیراعظم عوام کا منہ کیوں چڑا رہے ہیں۔ وہ پاکستانیوں کے زخموں پر نمک کیوں چھڑک رہے ہیں؟ ہماری رائے میں اِس کی وجہ یہ ہے کہ سانحۂ باجوڑ کو ابھی صرف ایک ہفتہ گزرا ہے۔ ابھی نامکمل لاشوں کی تدفین کا کام بمشکل مکمل ہوا ہے' لیکن قوم اِس سانحہ کو ماضی میں دھکیلنے اور تاریخ کا حصہ بنانے پر آمادہ ہے۔ وہ اِس سانحہ کو جلد از جلد فراموش کر کے اپنی آسودہ زندگی کو رواں دیکھنا چاہتی ہے۔ لہٰذا مذہبی اور سیاسی رہنما مذمتی بیان جاری کر کے فارغ ہو چکے ہیں۔ کالم نویس قلم بازی کر چکے' یقیناً بعض نے قلم کو تلوار کی طرح استعمال کیا لیکن اب وہ دوسرے موضوعات کی طرف رخ کر رہے ہیں۔ سکول' کالج اور یونیورسٹی کے طلبہ نے اِس سانحہ پر احتجاج کرنے کا تکلف بھی نہیں کیا۔ وکلاء نے ایک احتجاجی مارچ کو 80 معصوم اور بے گناہ انسانوں کے خون کا مناسب ردعمل سمجھا۔ دینی اور سیاسی جماعتوں کے کارکن ایسے سانحات پر پریس کلبوں کے سامنے احتجاج کرتے ہیں' جو احتجاج کی بجائے فیشن شو کا تاثر دیتا ہے اور کارکن کیمرے کی آنکھ کی توجہ حاصل کرنے کے لئے دھکم پیل بھی کرتے ہیں۔ وہ تاجر جو تھڑا ٹیکس نافذ ہونے پر ہڑتالوں پر اتر آتے ہیں اور سڑکیں بلاک کر دیتے ہیں اُنہوں نے سانحۂ باجوڑ پر کوئی علامتی ہڑتال کرنا بھی گوارا نہیں کی۔ وہ کلرک جو بات بات پر قلم چھوڑ ہڑتال کر دیتے ہیں وہ مضبوطی سے قلم تھامے رہے' اور وہ ڈاکٹر جو اپنے کسی ساتھی کے خلاف حکومتی اہلکار کے مناسب رویے پر مریضوں کو تڑپتا چھوڑ کر سڑکوں پر نکل آتے ہیں' اِس سانحہ پر اُنہوں نے بھی لاتعلقی کا رویہ اختیار کیا۔

ہمارے حکمرانوں کو ہر ایرے غیرے کی جان سے اپنی کرسی کہیں زیادہ عزیز ہوتی ہے۔ ہر واقعہ' ہر حادثہ' ہر سانحہ کو وہ اِس حوالہ سے پرکھ لیتے ہیں کہ عوامی ردعمل کس نوعیت اور درجہ کا ہوگا۔ سانحہ باجوڑ کو اپنے سر لیتے وقت اُنہیں اندازہ تھا کہ کسی عوامی طوفان کے اٹھنے کا خطرہ نہیں ہے۔ اُنہیں زیادہ سے زیادہ خطرہ سیاسی اور مذہبی جماعتوں کے کارکنوں سے ہوتا ہے۔ سیاسی اور مذہبی سیاسی جماعتوں کا اصل ہدف ہر فوجی حکومت میں بحالیٔ جمہوریت ہوتا ہے۔ اِس وقت اُن کے دل و دماغ پر 2007ء کے انتخابات چھائے ہوئے ہیں۔ وہ اِس وقت مشرف حکومت سے سر پھٹول مول لے کر اپنی منزل کھوٹی کرنے کا رسک نہیں لینا چاہتے تھے' حالانکہ پاکستان کی 60 سالہ تاریخ بتاتی ہے کہ فوجی آمر نہ کبھی بذریعہ ووٹ آتا ہے اور نہ رخصت ہوتا ہے' لیکن خود فریبی نے اُن کے پاؤں جکڑے ہوئے ہیں۔ رہے وہ لوگ جو اسلام بذریعہ انقلاب کا نعرہ لگاتے ہیں اور اُنہوں نے انتخابات کو خود پر حرام کیا ہوا ہے۔ وہ اسلامی انقلاب کے لئے تن' من اور دھن کھپا دینے کے دعویدار ہوتے ہیں لیکن تن آسانی اور من پسندی کی تلاش اور جستجو میں سرگرم رہتے ہیں اور دھن کے پجاری نہ سہی بیوپاری تو وہ بھی ہیں اور ننانوے کے چکر سے نکل نہیں پا رہے (الا ماشاء اللہ)۔ ایسی صورت میں حکمرانوں کو کیا (باقی صفحہ 19 پر)

"تا خلافت کی بنا' دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

قیام خلافت کا نقیب

ہفت روزہ — لاہور

ندائے خلافت

جلد 15 — شمارہ 41
9 تا 15 نومبر 2006ء
16 تا 22 شوال 1427ء

بانی: اقتدار احمد مرحوم
مدیر مسئول: حافظ عاکف سعید
نائب مدیر: محبوب الحق عاجز

مجلس ادارت
سید قاسم محمود۔ ایوب بیگ مرزا
سردار اعوان۔ محمد یونس جنجوعہ
نگران طباعت: شیخ رحیم الدین

پبلشر: محمد سعید اسعد' طابع: رشید احمد چوہدری
مطبع: مکتبہ جدید پریس' ریلوے روڈ' لاہور

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی:
67-اے علامہ اقبال روڈ' گڑھی شاہو لاہور۔ 54000
فون: 6366638 - 6316638 فیکس: 6271241
E-Mail:markaz@tanzeem.org
مقام اشاعت: 36-کے ماڈل ٹاؤن لاہور۔ 54700
فون: 03-5869501

قیمت فی شمارہ 5 روپے

سالانہ زرِ تعاون
اندرون ملک...... 250 روپے
بیرون پاکستان
انڈیا ---------- (2000 روپے)
یورپ' ایشیا' افریقہ وغیرہ (2500 روپے)
امریکہ' کینیڈا' آسٹریلیا وغیرہ (3000 روپے)
ڈرافٹ' منی آرڈر یا پے آرڈر
''مکتبہ خدام القرآن'' کے عنوان سے ارسال کریں
چیک قبول نہیں کیے جاتے

''ادارہ'' کا مضمون نگار حضرات کی رائے سے پورے طور پر متفق ہونا ضروری نہیں

تینتالیسویں غزل

(بالِ جبریل' حصّہ دوم)

مکتبوں میں کہیں رعنائیِ افکار بھی ہے؟ خانقاہوں میں کہیں لذّتِ اَسرار بھی ہے؟
منزلِ رہرواں دور بھی' دشوار بھی ہے کوئی اس قافلہ میں قافلہ سالار بھی ہے
بڑھ کے خیبر سے ہے یہ معرکۂ دین و وطن اس زمانے میں کوئی حیدرؓ کرّار بھی ہے
علم کی حد سے پرے بندۂ مومن کے لیے لذّتِ شوق بھی ہے' نعمتِ دیدار بھی ہے
پیرِ میخانہ یہ کہتا ہے کہ ایوانِ فرنگ سست بنیاد بھی ہے آئنہ دیوار بھی ہے

1۔ مدرسہ میں اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذتہ کرنے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ انسان کے اندر رعنائی افکار پیدا ہو جائے' یعنی اُس کی عقل و خرد اور قوتِ فکر میں دل کشی پیدا ہو جائے' اور خانقاہ میں مرشد کے ہاتھ پر بیعت کرنے کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ انسان کو ''لذتِ اسرار'' حاصل ہو جائے' یعنی اُس کے دل پر اسرارِ حیات منکشف ہو جائیں۔ لیکن انتہائی افسوس کی بات ہے کہ موجودہ زمانے میں مکتب اور خانقاہ' دونوں جگہوں پر مقصدِ حیات حاصل نہیں ہو سکتا۔ یعنی نہ مکتبوں کی تعلیم سے افکار میں رعنائی و جدت پیدا ہوتی ہے اور نہ خانقاہوں کی تربیت سے لذتِ اسرار حاصل ہوتی ہے۔

2۔ مسلمان کا نصب العین بہت بلند و اعلیٰ ہوتا ہے' لیکن افسوس کہ موجودہ زمانے میں کوئی شخص ایسا نظر نہیں آتا جو اُن کی راہنمائی کی اہلیت رکھتا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ ملّت سرگشتہ و حیران ہے۔

3۔ اقبال کا یہ شعر بہت مشہور و معروف ہے۔ کہتے ہیں کہ موجودہ زمانے میں مذہب اور وطنیت میں جو معرکہ آرائی ہو رہی ہے' وہ معرکۂ خیبر سے بھی زیادہ اہم ہے۔ یعنی اِس کے نتائج غزوہ خیبر سے بھی زیادہ دُوررس ہوں گے' لیکن سوال یہ ہے کہ اِس معرکۂ دین و وطنیت کو سر کرنے کے لیے کوئی حیدرِ کرار بھی ہے جو اِس نئے معرکے کو سر کرے۔

یاد رہے کہ غزوۂ خیبر جو ملت اسلامیہ کی تاریخ میں بہت اہمیت رکھتا ہے' سن سات ہجری میں واقع ہُوا تھا۔ اس جنگ میں یہود کا زور ہمیشہ کے لیے ٹوٹ گیا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اِس جنگ کے ہیرو ہیں' کیونکہ انہی کے ہاتھ پر قلعہ قموص فتح ہوا تھا' اور اسی معرکے میں انہوں نے عرب کے مشہور بہادر مرحب کو' ذوالفقار (تلوار) کے ایک ہی وار میں ختم کر کے سارے ملک میں اپنی شجاعت کا سکہ بٹھا دیا۔

اقبال نے غزوۂ خیبر کا ذکر خصوصیت کے ساتھ اس لیے کیا ہے کہ ہجرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مسلسل چھ سال تک یہودی مسلمانوں کے خلاف خفیہ یا علانیہ طور پر برسرِ جنگ رہے' اور خیبر کے یہود نے بیس ہزار یہودیوں کا لشکر جمع کر کے اپنی دانست میں ہمیشہ کے لیے اسلام کو ختم کر دینے کا تہیہ کر لیا تھا۔ اس لیے غزوۂ خیبر (خصوصاً معرکۂ قموص) کفر اور اسلام کے درمیان فیصلہ کن جنگ تھی۔ اگر اِس جنگ میں مسلمانوں کو شکست ہو جاتی تو یہود اسلام کے پودے کو بیخ و بُن سے اکھاڑ کر پھینک دیتے۔ گویا معرکۂ قموص میں مسلمانوں کی نہیں' بلکہ خود اسلام کی زندگی یا موت کا سوال درپیش تھا' اور اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت علیؓ نے مرحب کو قتل کر کے اسلام کی بہت بڑی خدمت انجام دی۔ اِن واقعات کو مدنظر رکھنے کے بعد اقبال نے دوسرے مصرعے میں جو سوال کیا ہے' اُس کی معقولیت بآسانی سمجھ میں آ سکتی ہے۔

اقبال کہتے ہیں کہ اس زمانے میں دین اور وطن کے درمیان جو آویزش ہو رہی ہے' یہ معرکۂ خیبر سے بھی بڑھ کر ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ خیبر میں صرف ایک قوم (یہود) سے مقابلہ تھا' لیکن موجودہ زمانے میں تو دنیا کی تمام اقوام عالمِ اسلام کے خلاف صف آراء ہیں۔ موجودہ زمانے میں تمام اقوامِ عالم نے نظریۂ وطنیت کو قبول کر لیا ہے۔ صرف مسلمان ہی ایک ایسی قوم ہیں جو وطنیت کے نظریے کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ لہٰذا اُن کا انکار دراصل ساری دنیا کو چیلنج ہے۔

مسلمان کہتے ہیں کہ وطنیت کا نظریہ اسلام کے بنیادی اصولوں کے خلاف ہے۔ اس نظریے کو قبول کر لینے کے بعد اسلام ایک ضابطۂ حیات یعنی دین کی حیثیت سے ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے گا' کیونکہ نظریۂ وطنیت کی تعلیم یہ ہے کہ قومیت کی بنیاد وطن ہے۔ مثلاً عرب کے رہنے والے ایک جداگانہ قوم ہیں۔ شام کے رہنے والے دوسری قوم ہیں۔ مصر کے باشندے الگ قوم ہیں۔ عراق' ترکی' ایران' افغانستان' پاکستان' بنگلہ دیش' ملائیشیا' انڈونیشیا' یہاں کے باشندے جداگانہ اقوام ہیں۔ اِن کے مقاصد بھی الگ' وسائل بھی الگ' اور اکثر صورتوں میں باہم دگر متخالف بھی۔

اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ قوم کی بنیاد وطن نہیں ہے' کلمۂ توحید ہے' اس لیے شام' مصر' عراق' ترکی' ایران' پاکستان' بنگلہ دیش' ملائیشیا' انڈونیشیا' یہاں کے باشندے جداگانہ اقوام ہیں۔ بلکہ ایک ہی ملت ہیں' اور چونکہ اِن سب کی اساس اسلام ہے' اس لیے ان کے مقاصد بھی یکساں ہوں گے۔ اقبال کہتے ہیں کہ موجودہ زمانے میں اسلام اور وطنیت میں جو آویزش ہو رہی ہے' وہ اپنے نتائج کے اعتبار سے جنگِ خیبر سے بھی بڑھ کر ہے' لیکن افسوس کہ اس وقت تمام دنیائے اسلام میں کوئی مسلمان جرأت مند نہیں جو حیدرِ کرارؓ کی طرح اس فتنے کی سرکوبی کی طاقت رکھتا ہو۔

4,5۔ اِن دونوں اشعار میں ایمائی انداز اختیار کیا گیا ہے۔ وضاحت اس لیے نہیں کی کہ پڑھنے والے کے دل میں تلاش و جستجو کا جذبہ پیدا ہو۔ مطلب یہ ہے کہ انسان میں دو قوتیں موجود ہیں۔ علم اور عشق یا فکر اور ذکر۔ جب علم کی سرحد ختم ہو جاتی ہے تو عشق کی سرحد شروع ہوتی ہے' اور اِس عالم میں لذتِ شوق بھی ہے اور نعمتِ دیدار بھی ہے۔ لیکن اِن دونوں چیزوں سے بہرہ ور ہونے کے لیے ایمان کی شرط ہے۔ فلسفی' علم کی بدولت اللہ تعالیٰ کو جان تو دے سکتا ہے' لیکن اللہ کو دیکھ نہیں سکتا۔ اس لیے اس سے وہ شے مُراد ہے جس میں زندگی اور حرکت نہ ہو۔ ایوانِ فرنگ سے مغربی تہذیب مراد ہے۔ پیرِ میخانہ سے مردِ مومن یا عارف مُراد ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مغربی تہذیب کی بنیاد چونکہ مادیت پر ہے' اس لیے نہ اس میں پائیداری ہے نہ زندگی' اس لیے اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ وہ بہت جلد فنا ہو جائے گی۔

سانحہ باجوڑ: ایک قومی سانحہ ایک شرمناک واقعہ

جس کے بعد دہشت گردی کے خلاف امریکہ کی نام نہاد عالمی مہم میں مزید تعاون کا کوئی جواز باقی نہیں رہتا

مسجد دارالسلام، باغ جناح، لاہور میں امیر تنظیم اسلامی محترم حافظ عاکف سعید صاحب کے 3 نومبر 2006ء کے خطاب جمعہ کی تلخیص

آیات قرآنی کی تلاوت اور خطبہ مسنونہ کے بعد!

حضرات! اس ہفتے کا سب سے اہم اور اندوہ ناک واقعہ جس نے مسلمانان پاکستان کو سخت غم زدہ کر دیا ہے باجوڑ کے ایک دینی مدرسہ پر حملہ ہے۔ یہ حملہ سحری کے وقت گن شپ طیارے کے ذریعے کیا گیا یا پھر شاید کوئی میزائل مارا گیا۔ جس سے مدرسہ کے تراسی (83) اساتذہ اور طلبہ شہید ہو گئے۔ اِن طلبہ کی اکثریت سات سے پندرہ سال کے عمر کے بچوں کی تھی۔ یہ نوعمر طلبہ قرآن مجید کی تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ یہ واقعہ حد درجہ افسوسناک اور انتہائی قابلِ مذمت ہے۔ شرمناک بات یہ ہے کہ تجزیہ نگاروں اور مغربی ذرائع ابلاغ کی رپوٹوں کے مطابق یہ حملہ امریکہ نے کیا ہے مگر ہمارے بزدل اور بے حمیت حکمران انتہائی ڈھٹائی سے یہ کہہ رہے ہیں کہ یہ کام ہم نے کیا ہے۔ کیونکہ بقول حکمرانوں کے مدرسہ میں دہشت گرد ٹریننگ لے رہے تھے۔

ہم سمجھتے ہیں کہ اِس المناک واقعہ پر حکومت کا یہ ردعمل عذرِ گناہ بدتر از گناہ کے مترادف ہے۔ دینی تعلیم حاصل کرنے والے معصوم طلبہ کی مظلومانہ شہادت حکومت کی بزدلانہ اور منافقانہ پالیسیوں کی غماز ہے۔ چنانچہ اس کے ردِعمل میں ملک بھر کے عوام میں غم وغصہ کی لہر دوڑ چکی ہے، ملک بھر میں احتجاجی مظاہرے کیے جا رہے ہیں۔ کتنے افسوس کی بات ہے کہ ہر طرف قتل وغارت گری ہو رہی ہے۔ چھوٹے چھوٹے تنازعات پر ایک دوسرے کا گلا کاٹا جا رہا ہے۔ ٹارگٹ کلنگ کے تحت جید علمائے کرام کو قتل کیا جا رہا ہے۔ مگر کہیں بھی اِس کا نوٹس نہیں لیا جا رہا۔ کبھی مجرم نہیں پکڑے جاتے۔ اس صورتحال سے یہ واضح ہے کہ ملک میں اندھیر نگری چوپٹ راج ہے۔

ہمارا دین سراپا امن وسلامتی ہے۔ یہ ہمیں انسانی جان کے احترام کا درس دیتا ہے۔ کسی ایک انسان کی بھی جان لینا بہت بڑا جرم اور کبیرہ گناہوں میں سے ایک ہے۔ بلکہ شرک کے بعد کہ جس کا تعلق عقیدے سے ہے، قتل ناحق کا درجہ آتا ہے۔ چنانچہ سورۃ الفرقان میں جہاں دس بڑے گناہوں کا تذکرہ ہے، فرمایا گیا:

﴿وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا﴾ (الفرقان)

"اور وہ لوگ جو اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہیں پکارتے، اور جس جان کا مار ڈالنا اللہ نے حرام کیا ہے، اس کو قتل نہیں کرتے مگر جائز طریق پر (یعنی حکم شریعت کے مطابق) اور بدکاری نہیں کرتے۔ اور جو یہ کام کرے گا سخت گناہ میں مبتلا ہوگا۔"

سورۃ المائدہ میں قابیل اور ہابیل کا قصہ مذکور ہے۔

> ہم نے اللہ پر توکل اور بھروسہ کی بجائے امریکہ کو اپنی امیدوں کا مرکز بنایا، تو اللہ تعالیٰ نے ہمیں دنیا بھر کے سامنے جھکنے پر مجبور کر دیا۔ اب ہم امریکہ کے آگے ہی سجدہ ریز نہیں، بلکہ بھارت کے آگے بھی بچھے جاتے ہیں

قابیل نے ہابیل کو ناحق قتل کیا تھا۔ اس واقعہ پر ایک پورا رکوع موجود ہے۔ اس واقعے کو بیان کرنے کے بعد اس پر تبصرہ کیا گیا اور ہدایت کی گئی کہ

﴿مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۛ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ......﴾

(المائدہ:32)

"اس (قتل) کی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر یہ حکم نازل کیا کہ جو شخص کسی کو (ناحق) قتل کرے گا (یعنی) بغیر اس کے کہ جان کا بدلہ لیا جائے یا ملک میں خرابی کرنے کی سزا دی جائے اُس نے گویا تمام لوگوں کو قتل کیا اور جو اُس کی زندگانی کا موجب ہوا تو گویا تمام لوگوں کی زندگانی کا موجب ہوا۔"

یہ ہے احترام آدمیت، احترام نفس اور احترام جان جو ہمیشہ سے آسمانی کتابوں کا حصہ رہا ہے۔ حدیث رسول ﷺ میں آتا ہے کہ کسی مسلمان کی جان لینا جائز نہیں ہے، سوائے تین صورتوں کے، پہلی صورت یہ ہے کہ کوئی شخص شادی شدہ زانی ہو۔ دوسرے یہ کہ جان کے بدلے جان لی جائے اور تیسرے وہ شخص کہ جو اپنے دین کو ترک کرے، مرتد ہو جائے اور اسلامی جماعت میں تفریق کا موجب بنے۔ یہی تین صورتیں ہیں جس میں کسی شخص کی جان لی جاسکتی ہے۔

اگر زنا کرنے والا شادی شدہ ہے تو اسلامی شریعت میں اُس کی سزا رجم ہے۔ اسے پتھر مار مار کر ہلاک کر دیا جائے گا۔ اور یہ اس وقت ہو گا جب شہادت کے تقاضے پورے ہو جائیں گے۔ شریعت اسلامیہ نے زنا کرنے والے کے لئے سخت ترین سزا اِس لئے مقرر کی ہے تاکہ اس قبیح اور سنگین جرم کا انسداد ہو سکے۔ کیونکہ زنا سے سوسائٹی میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔ اِس سے معاشرہ اخلاقی زوال کا شکار ہو جاتا ہے۔ جس سماج میں زنا عام ہو جائے وہاں فیملی سسٹم درہم برہم ہو جاتا ہے۔ خاندانی زندگی تباہ ہو جاتی ہے اور اولاد کی تربیت بھی غلط رخ پر ہوتی ہے۔ چنانچہ پورے معاشرے کو بچانے کے لئے ضروری تھا کہ اِس فعل کے مرتکبین کو حق زندگی سے محروم کر دیا جائے۔

جائز قتل کی دوسری صورت یہ ہے کہ کہ کسی شخص نے دوسرے کو ناحق قتل کیا ہو تو اب اس کے بدلے میں اس کو قتل کیا جاسکتا ہے۔ اب قاتل کے لیے سزا یا معافی کے فیصلے کا اختیار مقتول کے ورثاء کو ہوگا۔ جیسا کہ فرمایا:

﴿وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ﴾ (بنی اسرائیل:33)

"اور جو شخص ظلم سے قتل کیا جائے ہم نے اُس کے وارث کو اختیار دیا ہے (کہ ظالم قاتل سے بدلا لے) تو اس کو چاہیے کہ قتل (کے قصاص) میں زیادتی نہ کرے۔"

حکومت کا فرض ہے کہ قاتل کو گرفتار کر کے ورثاء کو

ہماری سپریم کورٹ کو باجوڑ کے مدرسہ میں ہونے والے ماورائے عدالت قتل کا نوٹس لینا چاہیے۔ اگر مختاراں مائی اور سونیا ناز کے مسئلہ پر سپریم کورٹ نوٹس لے سکتی ہے' تو اتنے بڑے مسئلہ پر ایسا کیوں نہیں کر سکتی

پیش کرے۔ اگر وہ اس کی جان لینا چاہیں تو قاتل کو قتل کر لیا جائے گا اور اگر جان بخشی کرنا چاہیں تو اس کی جان بچ سکتی ہے۔ وہ خون بہا قبول کر کے اس کو معافی دینا چاہے تو اس کا حق بھی اُن کو حاصل ہوگا۔ ورثاء کو اختیار دینے سے غرض یہ ہے کہ انہیں انصاف مل سکے۔

کسی انسان کی جان لینے کی تیسری صورت مرتد کا قتل ہے۔ وہ شخص جو اپنے دین کو چھوڑ کر کوئی اور مذہب اختیار کرے وہ ملت اسلامیہ میں تفریق کا موجب بنتا ہے۔ شریعت کی نظر میں ایسا شخص قابل گردن زدنی ہے۔ لہٰذا اسے قتل کیا جائے گا۔

اسلامی ریاست کی حدود میں مسلمانوں کے ساتھ ساتھ غیر مسلموں کی جان' جو ریاست کو جزیہ دیتے ہیں اور ذمی کہلاتے ہیں' بھی اتنی ہی محترم ہے جتنی کہ ایک مسلمان کی جان۔ اُن کی جان و مال حتیٰ کہ عبادت گاہوں کی پوری حفاظت کی جائے گی۔ اسلام کسی غیر مسلم کو قتل کی اجازت نہیں دیتا' سوائے اس کے جو حربی کافر ہو۔

حقیقت تو یہ ہے کہ اسلام سلامتی کا دین ہے۔ اس لیے اُس نے ایک فرد کے ناحق قتل کو پوری انسانیت کا قتل قرار دیا ہے اور اِس جرم کی سنگینی کے پیشِ نظر دنیا میں بھی اس کی بہت سخت سزا رکھی ہے' اور آخرت میں تو ایسے شخص کو انتہائی ہولناک انجام کی وعید سنائی گئی ہے۔ چنانچہ فرمایا:

﴿ وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ﴾ (النساء)

''اور جو شخص مسلمان کو قصداً مار ڈالے گا تو اس کی سزا دوزخ ہے' جس میں وہ ہمیشہ (جلتا) رہے گا' اور اللہ اس پر غضبناک ہوگا اور اُس پر لعنت کرے گا اور ایسے شخص کے لیے اُس نے بڑا سخت عذاب تیار کر رکھا ہے۔''

یعنی جس نے کسی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کیا' جیسے ہماری حکومت کہہ رہی ہے کہ باجوڑ کے مدرسے پر ہم نے بمباری کی' تو اِس قتل ناحق کی سزا یہ ہے کہ اِس جرم کا مرتکب ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔ اور اس شنیع فعل پر اللہ کے غیض و غضب کا اندازہ لگایئے کہ اِس کے ساتھ یہ فرمایا کہ اللہ اُس پر غضبناک ہوگا اور ابھی بات پوری نہیں ہوئی' چنانچہ آگے فرمایا: وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا۔ یہ انداز بتا رہا ہے کہ قتل ناحق کتنا گھناؤنا جرم ہے' اور کس درجے اللہ کے غضب کو دعوت دینے والا ہے۔

باجوڑ میں ضیاء العلوم تعلیم القرآن نامی جس دینی مدرسہ پر ظلم اور بربریت کر کے (83) بے گناہ افراد کو شہید کیا گیا' وہ جمعیت اشاعت التوحید والسنہ کا تھا' صوفی محمد کی تحریک نفاذِ شریعت کا نہیں تھا۔ جمعیت اشاعت التوحید والسنہ مولانا طاہر پنج پیری کی تنظیم ہے۔ یہ لوگ بالکل بے ضرر ہیں۔ مسلمانوں کو توحید اور قرآن کی دعوت دینے والے ہیں۔ مدرسے کے مہتمم مولانا لیاقت حسین اسی جمعیت سے وابستہ تھے۔ اِن لوگوں پر دہشت گردی کا کوئی بھی الزام سراسر غلط ہے۔ مدرسہ میں تو بچے تعلیم حاصل کر رہے تھے' قرآن حکیم حفظ کر رہے تھے اور ترجمہ سیکھ رہے تھے۔ اب ایسے طالبانِ قرآن کا قتل تو اور بھی گھناؤنا جرم اور شیطانی فعل ہے۔ اس قتل ناحق کا خون حکمرانوں کی گردن پر ہے۔

لوگ سوال کر رہے ہیں کہ مدرسہ پر یہ حملہ کس نے کیا اور کیوں کیا۔ حکمرانوں کی یہ بات اگر درست مان بھی لی جائے کہ یہ حملہ ہم نے کیا ہے تو اس پر پہلا اعتراض یہ ہے کہ باجوڑ کا علاقہ پولیٹیکل ایجنٹ کے انڈر ہے۔ آپ وہاں یہ کارروائی نہیں کر سکتے تھے' آپ نے ایسا کیوں کیا؟ دوسرا یہ کہ اگر آپ کی نظر میں مدرسہ میں کوئی دہشت گرد تھا بھی تو اِس کے جرم میں معصوم بچوں کو قتل کیوں کیا گیا؟ تیسرا اعتراض یہ ہے کہ قصوروار لوگوں کو گرفتار کر کے ان پر مقدمہ چلانے کی زحمت کیوں نہ کی گئی؟ بے قصور لوگوں کو ماورائے عدالت کیوں قتل کر دیا گیا۔ اسلام کا اصول تو یہ ہے کہ شک کی بنیاد پر کسی کو سزا نہیں دی جائے گی' پھر آپ نے محض شک کی بنیاد پر اتنے افراد کی جانیں کیوں لیں؟

اِن سوالوں کا جواب حکومت کے پاس نہیں ہے۔

نہایت بھونڈے انداز میں یہ الزام لگایا جا رہا ہے کہ مدرسہ میں عسکریت کی تعلیم دی جا رہی تھی۔ ہمیں اس بات پر ڈوب مرنا چاہیے' کیونکہ پاکستان جو اسلام کے نام پر بننے والا ملک ہے' اور کہنے کو یہاں پر اسلامی نظام ہے' مگر اس ملک میں بے دینی کی انتہا یہ ہے کہ عسکریت کی تعلیم کو جرم قرار دیا جا رہا ہے' حالانکہ عسکری تربیت ہر شخص کے لیے ضروری ہے۔ اسلام کا تقاضا ہے کہ ہر مومن مجاہد ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے جان و مال کو جنت کے بدلے خرید لیا ہے۔

ستم ظریفی کا یہ عالم ہے کہ ایک طرف ظلم و بربریت کا یہ گھناؤنا کاروبار جاری ہے اور دوسری طرف رقص و سرود کی تعلیم دینے کا عزم کیا جا رہا ہے۔ کہا جا رہا ہے کہ ہم پنجاب یونیورسٹی میں رقص و موسیقی کی تعلیم ضرور دیں گے۔ مخلوط رقص ہوں گے۔ مخلوط میراتھن کرائیں گے۔ ٹی وی پر فحاشی' عریانی پر مبنی حیا سوز ڈرامے اور پروگرام دکھائیں گے۔ تاکہ دنیا ہمیں روشن خیالی کا سرٹیفکیٹ دے سکے' ہم اعتدال پسند کہلا سکیں۔ ہمارا یہ طرزِ عمل شیطنت کا مظہر اور نفاق کی علامت ہے۔ قرآن حکیم میں منافقین کی یہ صفت بیان کی گئی ہے کہ وہ برائی کی اشاعت کرتے ہیں اور نیکی سے روکتے ہیں۔ فرمایا:

﴿ اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ ﴾ (التوبہ:67)

''منافق مرد اور منافق عورتیں ایک دوسرے کے ہم جنس (یعنی ایک ہی طرح کے) ہیں' کہ بُرے کام کرنے کو کہتے اور نیک کاموں سے منع کرتے ہیں۔''

ہم سمجھتے ہیں کہ حکمرانوں نے جس طرح باجوڑ میں ماورائے عدالت قتل کا ارتکاب کیا ہے' اِس کے بعد اُن کے پاس حکومت کرنے کا کوئی اخلاقی جواز نہیں رہا۔ اگر صدر جنرل پرویز مشرف میں ذرا بھی اخلاقی حرارت ہے تو فی الفور مستعفی ہو جائیں۔ مگر افسوس کہ اُن کے ہاں اخلاقی جرأت نام کی کوئی شے نہیں۔ اُس کا تو جنازہ نکل چکا ہے۔ اسی لیے تو حکمران اسلام پسند مسلمانوں پر مظالم ڈھا رہے ہیں۔ اپنے ہی عوام کو تہِ تیغ کر رہے ہیں۔ لوگوں کو پکڑ پکڑ کر امریکی بھیڑیوں کے حوالے کیا جا رہا ہے' جو اسلام کو مٹانے کے مشن پر نکلے ہوئے ہیں۔ یہ جانتے بوجھتے کہ امریکہ اور یہود و نصاریٰ کا گٹھ جوڑ اور دہشت گردی کے خلاف نام نہاد مہم اسلام کو مٹانے کی مہم ہے' ہمارے حکمران اس میں امریکہ کا دم چھلا بنے ہوئے ہیں' اور انہوں نے ظلم اور بربریت کا انسانیت سوز سلسلہ شروع کر رکھا ہے۔ ایک دعا میں ایسے ہی حکمرانوں سے اللہ کی پناہ مانگی گئی ہے۔ دعا کے الفاظ میں

''ولا تسلط علینا بذنوبنا من لا یخافک فینا ولا یرحمنا''

''اور (اے اللہ) ہم پر ہمارے گناہ کے سبب اُن لوگوں کو مسلط نہ کر جو ہمارے معاملہ میں نہ تیرا خوف کھائیں اور نہ ہم پر رحم کریں۔''

اگر اِس دعا کے الفاظ پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ ظالم حکمران ہمارے اپنے گناہوں کے سبب ہم پر عذاب بن کر مسلط ہوئے ہیں۔ یہ ہمارے قومی جرائم ہیں جن کی سزا ہمیں مل رہی ہے۔ یہ وہ اہم نکتہ ہے جس پر غور کیا جانا چاہیے' مگر ہمارے دینی رہنما اِس طرف آنے کو تیار نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ خرابی صرف حکمران طبقے میں ہے۔ حالانکہ حدیث رسول ﷺ ہے۔ ((اعمالکم عمالکم)) یعنی ''تمہارے اعمال ہی تمہارے حکمران ہوتے ہیں۔''

اندریں حالات ضروری ہے کہ پوری قوم اصلاح کی جانب مائل ہو' اپنی حالت تبدیل کرنے کی کوشش کرے ورنہ محض دعاؤں سے ہمیں ظالم حکمرانوں سے نجات نہیں ملے گی۔ اللہ تعالیٰ سے تعلق کو درست کریں گے تو ہماری دعائیں قبول ہوں گی۔ ہمارے دینی طبقات اور علمائے کرام کی ذمہ داری ہے۔ کہ وہ لوگوں کو اس جانب متوجہ کریں۔ انہیں بتائیں کہ جو کچھ ہو رہا ہے وہ ہمارے گناہوں کی سزا ہے۔

امریکہ کو یہ صاف بتایا جائے کہ تم ہماری سالمیت اور ملکی خود مختاری پر حملہ کر رہے ہو' لہٰذا ہم تمہارے ساتھ مزید تعاون نہیں کر سکتے

آخری بات یہ ہے کہ حکومت کا کہنا ہے کہ باجوڑ کے مدرسہ پر حملہ ہم نے کیا ہے۔ اگرچہ یہ بات واضح طور پر جھوٹ دکھائی دے رہی ہے' تاہم اگر حکمران اسی پر مصر ہیں تو ہماری سپریم کورٹ کو اس ماورائے عدالت قتل کا نوٹس لینا چاہیے۔ اگر مختاراں مائی اور سونیا ناز کے مسئلہ پر سپریم کورٹ نوٹس لے سکتی ہے' تو اتنے بڑے مسئلہ پر ایسا کیوں نہیں کر سکتی۔

اگر یہ جارحیت امریکہ نے کی ہے جس کے واضح اشارے اور شواہد موجود ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اُس نے ہماری سالمیت اور خود مختاری پر حملہ کیا ہے۔ اگر ہم میں کچھ بھی قومی غیرت اور ملی حمیت موجود ہے تو اس پر سخت ترین الفاظ میں احتجاج کیا جائے۔ دوسرے یہ کہ نام نہاد دہشت گردی کے خلاف امریکی مہم سے' جس میں ہم فرنٹ لائن سٹیٹ بنے ہوئے ہیں بالکل اعلانِ برات کیا جائے۔ امریکہ کو یہ صاف بتایا جائے کہ تم ہماری سالمیت اور ملکی خود مختاری پر حملہ کر رہے ہو' لہٰذا ہم تمہارے ساتھ مزید تعاون نہیں کر سکتے۔ مگر مسئلہ یہ ہے کہ اس کے لئے جرأت درکار ہے اور ہمارے حکمران اس سے تہی دست ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بے حمیت حکمرانوں کو امریکہ ہی سب کچھ نظر آتا ہے۔ اُن کی نگاہ اللہ تعالیٰ کی مختار و مطلق ہستی کی طرف تو اٹھتی ہی نہیں۔ اللہ پر ایمان کے دعوے تو ہیں مگر توکل امریکہ پر ہے۔ مادیت پسندوں کے وہم و گمان میں بھی یہ چیز نہیں کہ ہم اللہ کا سہارا پکڑیں۔ بہر حال اگر ہمیں اپنی مسلمانی کا کچھ بھی احساس ہے تو امریکیوں کے ساتھ تعاون فی الفور ختم کر دینا چاہیے' کیونکہ یہ لوگ ہمارے دین کے دشمن ہیں' ہماری اقدار کے خلاف ہیں' ہمارے کلچر کے مخالف ہیں۔ اسی لیے تو ہمارے حکمرانوں کے ہاتھوں سے اسلام کو مٹانے اور اسلامی قوتوں کو نیست و نابود کرنے کا ناپاک مشن مکمل کرنا چاہتے ہیں لیکن حکمرانوں کو یاد رکھنا چاہیے۔

دیں ہاتھ سے دے کر اگر آزاد ہو ملت
ہے ایسی تجارت میں مسلماں کا خسارہ

ہمیں اللہ کی پکڑ سے خوف کھانا چاہیے۔ اللہ ہر فرعون وقت کو وقت دیتا ہے۔ اور جب مہلت ختم ہو جاتی ہے تو اچانک پکڑ لیتا ہے۔ پھر اس کی پکڑ بڑی سخت ہوتی ہے۔ چنانچہ وہ ایسے کرداروں کو دنیا میں عبرت کا نمونہ بنا دیتا ہے۔ اور آخرت میں تو ایسے کرداروں کے لئے جو اللہ کے دشمنوں کے ساتھ ربط رکھیں' شیطانی تہذیب کو فروغ دیں' رب کائنات نے جہنم کا عذاب تیار کر رکھا ہے' کیونکہ یہ اللہ کی نظر میں یہود و نصاریٰ ہی میں سے ہیں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰۤى اَوْلِيَآءَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝﴾ (المائدہ)

''اے ایمان والو! یہود اور نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ۔ یہ ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ اور جو شخص تم میں سے ان کو دوست بنائے گا وہ بھی انہیں میں سے ہو گا۔ بے شک اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا''

اور فرمایا:

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَّلَعِبًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ اَوْلِيَآءَ ﴾ (المائدہ:57)

''اے ایمان والو! جن لوگوں کو تم سے پہلے کتابیں دی گئی تھیں ان کو اور کافروں کو جنہوں نے تمہارے دین کو ہنسی اور کھیل بنا رکھا ہے' دوست نہ بناؤ''

اللہ کی بندگی کا دعویٰ اور اللہ کے دشمنوں سے دوستی اور اُن پر بھروسہ و اعتماد ایمان کے یکسر منافی ہے۔ یہ روش کسی طور ہمیں زیب نہیں دیتی۔ اقبال کہتے ہیں۔

بتوں سے تجھ کو امیدیں خدا سے نومیدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے

ہم نے اللہ پر توکل اور بھروسہ کی بجائے امریکہ کو اپنی امیدوں کا مرکز بنایا' تو اللہ تعالیٰ نے دنیا بھر کے سامنے جھکنے پر مجبور کر دیا ہے۔ اب ہم امریکہ کے آگے ہی سجدہ ریز نہیں' بلکہ بھارت کے آگے بھی بچھے جاتے ہیں۔ آئے روز اِس سے مذاکرات کی بھیک مانگتے پھرتے ہیں' خواہ اُن کا کوئی مثبت نتیجہ نہ بھی نکلے' خواہ کشمیر کے بنیادی تنازعہ پر ہمیں تمام تر لچک دکھانی پڑے' اپنے دیرینہ موقف سے دستبردار ہونا پڑے۔ ہم مذاکرات کے انعقاد ہی کو کامیابی خیال کرتے ہیں۔

ہمیں شمالی کوریا سے سبق سیکھنا چاہیے' جس نے ایٹمی دھماکہ کیا اور پھر ڈٹ گیا۔ اُس نے واضح کہا کہ امریکہ' ہمیں دھمکیاں نہ دے' اب ہم ایٹمی قوت ہیں۔ شمالی کوریا کے برعکس ہمارا حال یہ ہے کہ ایٹمی قوت ہونے کے باوجود بزدلی اور بے حمیتی کی سیاہ چادر اوڑھ رکھی ہے۔ ایٹم بم جو ہم نے اپنے تحفظ کے لئے بنایا تھا' اُس کو سنبھالنے کے لئے فکر مند ہیں۔ ہم سے وہ نہیں سنبھالا جا رہا۔ دین و مذہب اور اصولوں کو قربان کیا جا رہا ہے' کہ اس طرح ہم ایٹم بم کو بچالیں گے مگر لاکھ ''وفاداریوں'' کے باوجود اس بات کی کوئی گارنٹی نہیں دے سکتا کہ آیا ہمارا ایٹمی پروگرام محفوظ بھی ہے یا نہیں۔

ہمیں امریکہ کے آگے ڈٹ جانے کے لئے جرأت کا مظاہرہ کرنا ہو گا۔ یہ جرأت ہر بندۂ مومن میں ہونی چاہیے۔ اگر ہمیں فی الواقع اس بات کا یقین کہ کائنات کی سب سے بڑی قوت اللہ تعالیٰ کی ذات ہے تو پھر ڈر کس چیز کا ہے۔

کیا ڈر ہے اگر ساری خدائی ہے مخالف
کافی ہے اگر ایک خدا میرے لئے ہے

ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہمارا بھروسہ اللہ کی بجائے امریکی طاغوت پر ہے' اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم اللہ کے بندے بننے کے لئے تیار ہی نہیں' پھر اللہ پر توکل کیسے کریں گے' لہٰذا ہم دنیاوی سہاروں ہی پر تکیہ لگائے بیٹھے ہیں۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ سے بے وفائی اور اُس کے دشمنوں پر بھروسہ کر کے ہم ہرگز کامیاب نہیں ہو سکتے۔ ہماری ساٹھ سالہ تاریخ گواہ ہے کہ امریکہ نے ہر محاذ پر ہمیں دھوکہ دیا ہے' ہر موڑ پر چرکے لگائے ہیں اور اب ایک مرتبہ پھر پاکستان کے وجود ہی کو حرف غلط کی طرح مٹانے پر تلا ہوا ہے۔ اسی کے لئے تو پاکستان کے گرد گھیرا تنگ کیا جا رہا ہے۔

موجودہ حالات میں بچاؤ کی واحد صورت یہ ہے کہ قوم بیدار ہو' اور اپنے اردگرد اٹھنے والے طوفانوں کا رُخ موڑنے کی سبیل کرے۔ قوم کی بیداری کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی اصلاح کی جانب مائل ہو' سب لوگ اللہ کے حضور توبہ کریں' اللہ کی نافرمانی اور معصیت سے تائب ہو کر اُس کی بندگی کے عہد کی تجدید کریں۔ ہمارے فوجی صدر جنرل پرویز مشرف کے لئے بھی موت سے قبل مہلت عمل باقی ہے۔ وہ بھی اللہ کے حضور سچی توبہ کریں اور یہود و نصاریٰ کی دوستی اور حمایت سے رجوع کر کے اللہ ہی کو اپنا کارساز بنائیں' اور علامہ اقبال کی اِس نصیحت پر کان دھریں کہ ۔

وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات

اگر ہم اللہ کے دین و شریعت کو ببانگ دہل نافذ کریں' منکرات کی اشاعت کی بجائے معروفات کو فروغ دیں' تو اللہ کی مدد ہمیں ضرور حاصل ہو گی۔ پھر کسی طاغوتی قوت کا خوف نہیں رہے گا اور ہمیں ہی غلبہ حاصل ہو گا۔ اللہ کا وعدہ ہے:

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ ۝﴾ (سورۂ محمد)

''اے اہلِ ایمان! اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ بھی تمہاری مدد کرے گا۔ اور تم کو ثابت قدم رکھے گا''

ہماری قوم کو یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ اگر ہم اللہ کی جانب رجوع نہیں کریں گے' تو ہماری موجودہ زبوں حالی کا سلسلہ کہیں نہیں رکے گا۔ پھر ہمیں مزید صدمات کے لئے تیار رہنا ہو گا۔ پھر باجوڑ کے سانحے کی طرح اور بھی سانحات رونما ہوں گے۔ ہمارے احتجاجوں سے یہ سلسلہ نہیں رکے گا' نہ ہی ہماری دُعاؤں سے حالات تبدیل ہوں گے۔ اللہ کی سنت ہے کہ جب تک کوئی قوم خود اپنے حالات تبدیل کرنے کے لئے سعی و جہد نہیں کرتی' اُس کی حالت نہیں بدلتی۔

خدا نے آج تک اُس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

(مرتب: محبوب الحق عاجز)

سالانہ اجتماع کے مقاصد
اوراُن کے حصول کا طریقۂ کار

بانیٔ تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد کے ایک فکر انگیز خطاب سے ماخوذ

تنظیم اسلامی کے نویں سالانہ اجتماع منعقدہ 25 مئی تا29 مئی 1984ء کے موقع پر بانیٔ تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے اپنے افتتاحی خطاب میں جہاں دیگر اہم امور پر اظہار خیال فرمایا' وہاں اجتماع کے مقاصد پر بھی وضاحت سے روشنی ڈالی۔ ذیل میں ہم اُن کی گفتگو کے اس حصے کو معمولی سے حک و اضافے کے ساتھ پیش کر رہے ہیں' اس لئے کہ اجتماع کے جو مقاصد اُس وقت تھے وہی آج بھی ہیں۔ (ادارہ)

سالانہ اجتماع کے چار اہم مقاصد ہیں' جو ہم میں سے ہر شخص کے سامنے شعوری طور پر رہنے چاہئیں۔

جذبۂ تازہ کا حصول

اس اجتماع کا پہلا مقصد یہ ہے کہ جب ہم یہاں سے جائیں تو جذبۂ تازہ لے کر جائیں۔ ہمارے اندر ایک نئی لگن پیدا ہو جائے۔ جذبے کا تمام تر دارومدار ایمان پر ہے۔ یقین جتنا گہرا ہوگا' اللہ کے ہاں محاسبہ کا خوف جتنا زیادہ دامن گیر ہوگا اور اللہ تعالیٰ کی محبت دلوں میں جس قدر بڑھتی جائے گی' اس کی خوشنودی کے لئے تن من دھن لگانے کا جذبہ بھی اُسی قدر بڑھتا چلا جائے گا۔ دل میں ایمانِ حقیقی جاگزیں ہو چکا ہو تو انسان بڑی سے بڑی قربانی کے لئے آمادہ ہو جاتا ہے۔ یہ بات آپ کو معلوم ہوگی کہ دلوں پر بھی زنگ آ جایا کرتا ہے اور اس کے نتیجے میں ایمانی کیفیات دھندلانے لگتی ہیں۔ چنانچہ نبی اکرم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

((اِنَّ هٰذِهِ الْقُلُوْبَ تَصْدَاُ كَمَا يَصْدَءُ
الْحَدِيْدُ اِذَا اَصَابَهُ الْمَاءُ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ
مَا جِلَاؤُهَا قَالَ كَثْرَةُ ذِكْرِ الْمَوْتِ
وَتِلَاوَةُ الْقُرْآنِ)) (بیہقی)

''(بنی آدم کے) قلوب بھی اسی طرح زنگ آلود ہو جاتے ہیں جیسے لوہا پانی پڑنے سے۔ دریافت کیا گیا' یا رسول اللہ ﷺ اس زنگ کا علاج کیا ہے؟ فرمایا موت کی بکثرت یاد اور قرآن مجید کی تلاوت''۔

صحابہ کرام ؓ نے بہت ہی عملی سوال کیا۔ ان حضرات کا بالعموم انداز ہی یہ ہوتا تھا کہ وہ زیادہ علمی نوعیت کے مسئلوں میں نہیں پڑا کرتے تھے۔ ان کا یہ تجربہ تھا کہ تلواروں پر زنگ آ جائے تو صیقل کر لیا جاتا ہے۔ دل کے زنگ کو کس چیز سے دور کیا جائے؟ دلوں کی ویران دنیا پھر سے کیسے آباد ہو جائے کہ جذبۂ ایمانی جھلملا اٹھے۔ آپ نے جواباً دو چیزوں کا ذکر فرمایا۔ ایک موت کی بکثرت یاد' تاکہ یہ احساس رہے کہ یہاں رہنا نہیں ہے' بلکہ ایک دن یہاں سے جانا ہے۔ گویا یہ دنیا ہماری منزل نہیں ہے بلکہ راہ گزر ہے۔ اس ضمن میں حضور ﷺ کے یہ الفاظ بھی نہایت جامع ہیں: ''كُنْ فِي الدُّنْيَا كَاَنَّكَ غَرِيْبٌ اَوْ عَابِرُ سَبِيْلٍ'' یعنی ''دنیا میں ایسے رہو جیسے اجنبی یا راہ چلتا مسافر''۔ دوسری چیز جس کا آپؐ نے باہتمام ذکر فرمایا' وہ ہے تلاوتِ قرآن۔ گویا اس زنگ کو اتارنے کے لئے یہ دو بہت ہی مؤثر ذریعے ہیں۔

اس اجتماع کا پہلا مقصد یہ ہوا کہ ان دنوں میں ہم نے اس زنگ کو اتارنا ہے کہ جس کی وجہ سے ہمارا جذبہ سرد پڑ رہا ہے۔ گویا کہ بیٹری کو ازسرِنو چارج کرنا ہے۔ آپ لوگ اگر پورے صبر اور ہمت کے ساتھ مصیبت کو جھیلتے ہوئے خوش دلی کے ساتھ اجتماع کے پروگراموں میں شریک رہے تو ان شاء اللہ کسی نہ کسی درجے میں یہ مقصد ضرور حاصل ہوگا اور آپ اپنے جذباتِ ایمانی میں حرارت اور تازگی محسوس کریں گے۔ (ان شاء اللہ)

مقصد اور طریق کار کا شعور

اس اجتماع کا دوسرا مقصد یہ ہے کہ ہمارے سامنے اپنے مقصد اور طریق کار کا شعور نکھر کر آئے اور مزید اجاگر ہو! اس لئے کہ جس طرح دلوں پر زنگ آ جایا کرتا ہے' ایسے ہی ذہن بھی زنگ آلود ہو جایا کرتے ہیں۔ بعض دفعہ انسان محسوس کرتا ہے کہ ذہن پر بھی کچھ غبار سا آ گیا ہے' جس کے نتیجے میں فکر کے خدوخال دھندلانے لگتے ہیں۔ اس زنگ کو اتارنے کے لئے اپنے مقصد اور طریق کار کا شعور ہونا ضروری ہے۔ انسان سوچتا ہے کہ ہماری اس دینوی جدوجہد کا ہدف کیا ہے؟ ہم کس طرف جا رہے ہیں؟ یہ صورت ہرگز نہیں ہونی چاہئے کہ ؏ ''آہ وہ تیر نیم کش' جس کا نہ ہو کوئی ہدف۔'' اگر کیفیت یہ ہو تو گویا بہت ہی مایوس کن علامت ہے۔ اس کے معنی یہ ہوں گے کہ کچھ لوگ کام تو کر رہے ہیں' لیکن انہیں یہ شعور نہیں کہ ہمارا ہدف کیا ہے۔ اور وہ یہ نہیں جانتے کہ ہمارے اس سفر کی منزل کون سی ہے۔ اس مقصد کے شعور کے علاوہ اس مقصد اور منزل تک پہنچنے کا راستہ کون سا ہے' اس کا شعور بھی ذہنوں کے اندر برقرار رہنا چاہئے۔ لیکن انسان اس دنیا میں رہتے ہوئے بھانت بھانت کی بولیاں سنتا ہے' طرح طرح کے فلسفوں سے اس کو سابقہ پیش آتا ہے' مختلف نوعیت کی دعوتیں مختلف جوانب سے اس کے کانوں تک پہنچتی ہیں' لہٰذا کچھ شکوک و شبہات کا پیدا ہو جانا فطری ہے۔ ہمیں اس اجتماع کے موقع پر اپنے مقاصد کے شعور کے ساتھ ساتھ طریق کار کو پورے مراحل و مدارج کے ساتھ ازسرِنو اجاگر کرنا ہے۔

رفقاء کا باھمی تعارف

اس اجتماع کا تیسرا مقصد اس قافلے کے ساتھ چلنے والے ساتھیوں کا باہمی ربط و ضبط بڑھانا اور محبت قلبی میں اضافہ کرنا ہے۔ کسی بھی اجتماعیت میں رفقاء کا باہمی تعارف بہت ہی اہم ہوتا ہے۔ اس اجتماع کے موقع پر اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس اہم ضرورت کو پورا کرنے کا ایک موقع فراہم کر دیا ہے۔ اس وقت ملک کے کونے کونے سے رفقاء تشریف لائے ہوئے ہیں۔ یہ ایک بہت ہی سنہری موقع ہے کہ ہم اپنے ساتھیوں سے زیادہ سے زیادہ ربط و ضبط بڑھائیں' اور ایک دوسرے کا تعارف حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ اس دور میں دینی اخوت کو نبھانے کے لئے وقت نکالنا بہت ہی مشکل ہے۔ بقول شاعر ؎

بھلا گردشِ فلک کی چین دیتی ہے کسے انشاء
غنیمت ہے کہ ہم صورت یہاں دو چار بیٹھے ہیں

نظم کی اھمیت کا ادراک

ہمارے اس اجتماع کا چوتھا مقصد یہ ہے کہ ہمیں نظم و ضبط کی اہمیت کا ادراک ہو۔ چونکہ ہم ایک منظم جماعت کے تحت انقلابی جدوجہد کر رہے ہیں' لہٰذا اس کام میں نظم کی بہت زیادہ اہمیت ہے۔ نظم کی اہمیت کے ضمن میں جو آیات و احادیث بیان ہوتی ہیں' وہ ہمارے ہر رفیق کے سامنے آئینے کی طرح ہونی چاہئیں۔ نظم و ضبط یا ڈسپلن کی اہمیت کے ادراک کا ایک علمی پہلو ہے' اس کی بھی اپنی جگہ بہت زیادہ اہمیت ہے' لیکن اس علمی سطح پر ادراک کے ساتھ ساتھ ہمیں نظم و ضبط کو عمل (Practice) میں بھی لانا چاہئے۔ اور وہ عملی پہلو یہ ہے کہ ہم نظم کے خوگر بن جائیں۔ ہمارا نظم مثالی ہونا چاہئے۔ ایسا نہ ہو کہ دیکھنے والے یہ محسوس کریں کہ یہ کوئی منظم جماعت نہیں' ہجوم ہے۔ بقول علامہ اقبال ؎

عیدِ آزاداں شکوہِ ملک و دیں
عیدِ محکوماں ہجومِ مومنیں

اس اجتماع کے موقع پر بھی نظم و ضبط کا بھرپور مظاہرہ ہونا چاہئے۔ اجتماع کے منتظمین سے اگر کوئی کوتاہی ہو جائے تو ان پر نکیر کرنے کے بجائے خیر خواہی کے جذبے کے ساتھ ان کی توجہ اس جانب مبذول کرانی چاہئے۔ ہمیں اپنے رفقاء کے بارے میں کسی بھی درجے میں سوءِ ظن میں مبتلا نہیں ہونا

چاہیے۔ یہ نہیں سوچنا چاہیے کہ انہوں نے جان بوجھ کر آپ کے لئے کوئی تکلیف دہ صورت حال پیدا کر دی ہے۔ اس طرح کے کسی خیال کو ذہن میں نہ آنے دیجئے۔ خود آپ لوگوں کی طرف سے کوئی بدنظمی صادر نہ ہو۔ یہ بھی آپ کی تربیت کا ایک اہم حصہ ہے۔

حصولِ مقاصد کا ذریعہ

پہلے دو مقاصد کے لئے ہمارا Source قرآن ہے' جو ہمارا ہادی ہی نہیں بلکہ سرچشمۂ ایمان بھی ہے۔ قرآن ہی ہمیں ان مقاصد کا شعور عطا کرنے والا ہے۔ یہی ہے جو ہمیں ان مقاصد کے حصول کا طریق کار بتانے والا ہے۔ منظم جماعت کس طور کا ہو' اس کی طرف ہماری رہنمائی کرنے والا بھی یہی قرآن ہے۔ آپ لوگوں کو یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے کہ جب میں لفظ قرآن کہتا ہوں تو اس وقت میرے ذہن میں قرآنِ متلو کے ساتھ' جس کی ہم تلاوت کرتے ہیں اور جو مصحف کی شکل میں ہمارے پاس موجود ہے' قرآنِ مجسم حضرت محمد ﷺ بھی ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ قرآن اور ذاتِ رسولؐ بریکٹ ہیں۔ میرے نزدیک یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہیں۔ اس قرآن کی توضیح و تشریح آپ ﷺ نے اپنے قول سے بھی کی ہے اور اس کے دیئے ہوئے مقاصد کے حصول کے لئے ایک عملی جدوجہد بھی بالفعل کر کے دکھائی ہے۔ اس عملی جدوجہد کے تمام مراحل و مدارج سیرتِ مطہرہ میں ہمیں ملتے ہیں۔ گویا یہ دونوں چیزیں ایسی ہیں کہ انہیں ایک دوسرے سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔ اس حوالے سے آپ کی توجہ سورۃ البینہ کی ابتدائی آیات کی طرف دلانا چاہتا ہوں۔ فرمایا:

﴿لَمْ یَكُنِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِیْنَ مُنْفَكِّیْنَ حَتّٰی تَاْتِیَهُمُ الْبَیِّنَةُO رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ یَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةًO فِیْهَا كُتُبٌ قَیِّمَةٌO﴾

جو لوگ کافر ہیں (یعنی) اہلِ کتاب اور مشرک وہ (کفر سے) باز آنے والے نہ تھے جب تک کہ اُن کے پاس کھلی دلیل (نہ) آتی۔ (یعنی) اللہ کے پیغمبر جو پاک اَوراق پڑھتے ہیں۔ جن میں مستحکم (آیتیں) لکھی ہوئی ہیں۔

یعنی وہ بینہ اللہ کی جانب سے ایک رسول ہیں' جو ان پاکیزہ صحیفوں کی تلاوت کرتے ہیں۔ گویا یہ رسول اور کتاب مل کر ایک بینہ یعنی ایسی روشن دلیل جو حجت قاطع بن جائے' کی شکل اختیار کرتے ہیں۔ ہمارے نزدیک تو مقصد کے شعور اور ایمان کی جلا کا واحد ذریعہ بھی ہے۔ ہمیں طریق کار اور اس کے مراحل کا شعور بھی وہیں سے حاصل کرنا ہے۔

اس اجتماع کا جو تیسرا مقصد ہے' اس کے حصول کے لئے آپ کو خصوصی طور پر وقت نکالنا ہوگا۔ اپنے نفس کے ناگزیر حقوق کی ادائیگی یعنی کھانے' پینے اور بقدرِ ضرورت سونے کے بعد جو وقت بھی فارغ ملے اور ان بھاری بھر کم پروگراموں سے جو وقت بچ جائے اسے غنیمت سمجھتے ہوئے اس مقصد کے حصول کے لئے صرف کریں۔ یہ اس وقت کا بہترین مصرف ہوگا۔ ایک مختصر سا تعارف تو آپ کو رفقاء کے سینوں پر آویزاں بیجوں سے حاصل ہو جائے گا لیکن اس کے علاوہ اپنے رفقاء کے حالات معلوم کرنا اور ان سے ذاتی تعلق بڑھانا بھی ضروری ہے۔ گویا فارغ اوقات میں آپ اپنے ہم مقصد ساتھیوں کا تفصیلی تعارف حاصل کریں تا کہ باہم محبت میں اضافہ ہو۔

اللہ کی خاطر باہم محبت رکھنے والوں کیلئے بشارتیں

کسی بھی اجتماعیت کے لئے آپس کا میل جول اور باہمی محبت بہت ہی ضروری ہوتی ہے۔ ہماری اس چھوٹی سی اجتماعیت میں اخوتِ باہمی کی فضا پیدا ہونی چاہئے۔ اس حوالے سے ان احادیث مبارکہ کو ذہن میں رکھئے کہ جن میں آپؐ نے ان مومنین کے لئے جو دین کی خاطر ایک دوسرے سے محبت رکھتے ہوں' بشارتیں سنائی ہیں۔ چنانچہ حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''میری محبت اُن لوگوں کے حق میں واجب ہو گئی جو صرف میرے لئے ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں اور جو میری خاطر مل جل کر بیٹھتے ہیں اور جو میرے لئے ایک دوسرے کو ملنے آتے ہیں اور جو میری محبت میں ایک دوسرے پر خرچ کرتے ہیں۔'' (حدیث قدسی)

((فانی سمعت رسول اللہ ﷺ یقول' قال اللہ تبارک و تعالیٰ' وَجَبَتْ مَحَبَّتِیْ لِلْمُتَحَابِّیْنَ فِیَّ' وَالْمُتَجَالِسِیْنَ فِیَّ' وَالْمُتَزَاوِرِیْنَ فِیَّ وَالْمُتَبَاذِلِیْنَ فِیَّ)) (موطا)

''میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میری محبت ان لوگوں کے حق میں واجب ہو گئی جو صرف میرے لئے ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں اور جو میری خاطر مل جل کر بیٹھتے ہیں اور جو میرے لئے ایک دوسرے کو ملنے آتے ہیں اور جو میری محبت میں ایک دوسرے پر خرچ کرتے ہیں''۔

اس حدیث مبارکہ میں جو لفظ ''فِیَّ'' آیا ہے' اس کا کوئی مجرد تصور اپنے ذہن میں رکھئے۔ یہاں اللہ کے لئے محبت کے کیا معنی ہیں؟ اس کے معنی ہیں اللہ کے دین کے لئے اور اس کے کلمے کی سربلندی کے لئے سردھڑ کی بازی لگانے کا جذبہ۔ گویا غلبۂ دین کے لئے جو منظم جدوجہد ہو رہی ہے' ایک قافلہ ہے اور اس کے ساتھ کچھ لوگ شریک ہیں۔ اب اس قافلے میں چلنے والے کچھ پرانے ساتھی ہیں اور کچھ نئے بھی ہیں' ان میں سمجھدار بھی ہیں اور ناسمجھ بھی ہیں۔ اس قافلے کے وہ ہم سفر کہ جو بہت عرصہ پہلے سے شامل ہیں' ان پر بہت سے حقائق واضح ہیں جبکہ جو اس قافلے میں نئے ہم سفر ہیں' انہیں ابھی بہت سی چیزوں کا شعور نہیں ہے۔ پھر ان میں وہ بھی ہیں کہ جنہیں دوسری تنظیموں اور جماعتوں میں کام کرنے کا کوئی تجربہ سرے سے ہے ہی نہیں۔ اس قافلے میں شامل افراد کو جوڑنے والی چیز ایک مقصد کی لگن اور احساسِ فرض ہے' اسی کے تحت یہ قافلہ قدم بقدم آگے بڑھ رہا ہے۔

ان لوگوں کو پہلے تو محسوس ہوگا کہ جیسے ان پر راستے کے نشانات پوری طرح واضح نہیں تھے' تاہم فرض کی ادائیگی کے تحت سفر کا آغاز کریں گے تو جیسے جیسے اس راستے پر آگے بڑھیں گے' وہ یہ محسوس کریں گے کہ جیسے کوئی انگلی پکڑ کر چلا رہا ہے۔ کوئی ہمارے سامنے منزل کو روز بروز اجاگر کرتا چلا جا رہا ہے۔

اسی طرح ایک دوسری حدیث مبارکہ میں بھی جو حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے' اللہ کے لئے باہمی محبت کرنے والوں کو خوشخبری سنائی گئی ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((یَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰی یَوْمَ الْقِیَامَةِ: اَیْنَ الْمُتَحَابُّوْنَ بِجَلَالِیْ؟ اَلْیَوْمَ اُظِلُّهُمْ فِیْ ظِلِّیْ یَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلِّیْ)) (متفق علیہ)

''قیامت کے روز اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کہاں ہیں وہ لوگ جو میری جلالتِ شان کے لئے ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے۔ آج کے دن میں انہیں اپنے سائے میں پناہ دوں گا۔ آج کے دن میرے سائے کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا۔''

بعض دوسری روایات میں ''عرش'' کا لفظ آیا ہے کہ میں ان کو اپنے عرش کے سائے میں جگہ دوں گا۔ لیکن یہاں تو اس درمیانی واسطے کو بھی علیحدہ کر کے ''ظِلِّی'' یعنی اپنے سایۂ رحمت میں جگہ دوں گا' کا اسلوب اختیار کیا گیا ہے۔

احادیث میں وارد شدہ ان بشارتوں کو سامنے رکھ کر اپنے فارغ اوقات کو باہمی تعارف اور میل جول میں صرف کیجئے۔ اور اس کام میں جو وقت بھی صرف ہوا سے نہایت قیمتی سمجھئے کہ یہ ہرگز رائیگاں جانے والا نہیں ہے۔

مجھے قوی امید ہے کہ اگر آپ ان چار مقاصد کو سامنے رکھ کر پوری دلچسپی' انہماک اور نظم و ضبط کے ساتھ اجتماع کے پروگراموں میں شریک ہوں گے تو نہ صرف یہ کہ طریق کار اور منہجِ عمل کے بارے میں اگر کوئی ابہام آپ اپنے ذہنوں میں لے کر آئے تھے تو وہ از خود رفع ہو جائے گا بلکہ آپ ایک ولولۂ تازہ کے ساتھ اس اجتماع سے رخصت ہوں گے۔

اَللّٰهُمَّ وَفِّقْنَا لِهٰذَا

بقیہ: ہمارا گھناؤنا کردار

داڑھی رکھنے اور ٹوپی پہننے کی اجازت دے رکھی ہے' ورنہ ہماری حکومت نہ صرف اس امریکی اقدام کی حمایت کر دیتی بلکہ وہ پھٹو بن کر یہ جرم بھی اپنے سر لے لیتی۔ میں اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتا ہوں' واقعہ کربلا ہمارے دور میں پیش نہیں آیا ورنہ ہم خدانخواستہ حضرت امام حسینؓ کی شہادت کو بھی اپنا کارنامہ قرار دے دیتے' ہم اس معاملے میں بھی پھٹو بن جاتے۔

(بشکریہ روزنامہ ''ایکسپریس'')

تنظیم اسلامی

ایک اصولی اسلامی انقلابی جماعت

تنظیم اسلامی کے اجمالی تعارف پر مشتمل ایک تحریر

ابن غلام مصطفیٰ

وطن عزیز میں اسلام کے غلبے کے لیے بہت سی جماعتیں کوشاں ہیں۔ تنظیم اسلامی کی انفرادیت یہ ہے کہ یہ معروف معنی میں سیاسی جماعت ہے، نہ مذہبی فرقہ، بلکہ ایک اصولی، اسلامی، انقلابی جماعت ہے جو پہلے پاکستان اور بالآخر کل روئے زمین پر اللہ کے دین کے غلبے، یعنی اسلام کے نظام عدل اجتماعی کے قیام، یا دوسرے لفظوں میں ''اسلامی انقلاب'' اور اس کے نتیجے میں ''نظام خلافت علیٰ منہاج النبوت'' کے قیام کے لئے سرگرم عمل ہے۔

انفرادی سطح پر تنظیم میں شامل ہر ساتھی کا اصل نصب العین صرف رضائے الٰہی اور نجات اُخروی کا حصول ہے۔

یہ جماعت شخصی بیعت کے مسنون و ماثور اصول پر قائم کی گئی ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر اسرار احمد ولد شیخ مختار احمد مرحوم کو تنظیم اسلامی کے قیام 1975ء سے 2002ء تک اس کے داعی، موسس اور تاحیات امیر کی حیثیت حاصل رہی۔ تا آنکہ 2002ء میں انہوں نے تنظیم کی امارت سے سبکدوشی اختیار کرلی اور تنظیم اسلامی کے دستور کے مطابق نامزد شدہ نائب امیر، حافظ عاکف سعید نے تنظیم کی امارت کی ذمہ داری سنبھالی اور اب اُن کو تنظیم اسلامی کے امیر کی حیثیت حاصل ہے۔

اساسی دعوت

تنظیم اسلامی کی اساسی دعوت تین بنیادی نکات پر مبنی ہے جو درج ذیل ہیں:

(i) تجدید ایمان
(ii) توبہ اور
(iii) تجدید عہد

تنظیم میں شمولیت جس عہد نامے کے ذریعے ہوتی ہے اس میں بھی ان ہی اُمور سہ گانہ کا ذکر ہے، یعنی پہلی کلمہ شہادت کی ادائیگی جو گویا تجدید ایمان کے مترادف ہے۔ دوسری توبہ اور استغفار، اور تیسری اللہ تعالیٰ سے یہ عہد کہ میں ہر اس چیز کو ترک کردوں گا جو اسے ناپسند ہے۔ اور اس کی راہ میں امکان بھر اپنا مال بھی صرف کروں گا اور جان یعنی بدنی قوتیں اور صلاحیتیں بھی کھپاؤں گا۔

عقائد اور بنیادی دینی تصورات

تنظیم اسلامی کے بنیادی دینی تصورات ''تعارف تنظیم اسلامی'' نامی کتابچے کے حصہ دوم میں شامل ہیں۔ اس بحث کی چھ شقیں ہیں جن کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

اس کی پہلی شق ایمان مجمل اور ایمان مفصل کے بیان پر مشتمل ہے جن کی تشریح میں اہل سنت کے عقائد اختصار لیکن جامعیت کے ساتھ آ گئے ہیں۔

دوسری شق کلمۂ طیبہ اور کلمۂ شہادت کی تشریح پر مشتمل ہے۔ اس میں اللہ کی توحید اور محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت کے اقرار کے فکری و عملی تقاضوں کو کھول کر بیان کیا گیا ہے۔ ساتھ ہی اس امر کی بھی وضاحت کردی گئی ہے کہ ہمارے نزدیک خلافت راشدہ چونکہ اصلاً خلافت علی منہاج النبوۃ کی حیثیت رکھتی ہے، لہٰذا اس کے دوران جن اُمور پر امت کا اجماع ہوگیا' انہیں دین کے دستوری اور قانونی نظام میں حجت کی حیثیت حاصل ہے۔ اسی طرح یہ بھی واضح کردیا گیا ہے کہ ہمارے نزدیک عظمت صحابہؓ اور حجیت خلافت راشدہ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت مبارکہ کے ساتھ تتمے اور ضمیمے کی حیثیت حاصل ہے۔

تیسری اور چوتھی شقیں شرک، کفر اور ذمائم اخلاق سے برأت، اور معاصی اور گناہوں سے توبہ و استغفار پر مشتمل ہیں' جن کے ضمن میں جہاں کفر اور شرک کی حقیقت اور اُن کی اقسام کی مختصر مگر جامع وضاحت آگئی ہے وہاں فرائض و واجبات دینی اور محرمات و منہیات شرعی کا اجمالی تذکرہ بھی ہوگیا ہے۔

پانچویں اور چھٹی شقیں دو معاہدوں پر مشتمل ہیں: پہلا اللہ سے یہ عہد کہ میں نے ہر جانب سے یکسو ہوکر اپنا رخ صرف ''تیری جانب'' کرلیا ہے اور اب میری نماز اور قربانی کی طرح میرا جینا اور مرنا بھی صرف تیرے لئے ہوگا اور دوسرا عہد امیر تنظیم اسلامی سے کہ میں آپ کے ایسے تمام احکام کی جو شریعت کی کسی واضح نص کے خلاف نہ ہوں ''سمع وطاعت'' کی ٹھیٹھ اسلامی روح کے مطابق اطاعت کروں گا۔

نظام بیعت

تنظیم اسلامی بیعت کا نظم جماعت بیعت کی مسنون بنیاد پر استوار ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ ایک فطری طریق تنظیم ہے۔ نظام بیعت میں باہمی مشاورت کا نہایت وسیع اور جامع نظام ترتیب دیا گیا ہے جو موجودہ جمہوری نظام سے بھی وسیع تر اور مؤثر ہے۔ البتہ دونوں میں فرق یہ ہے کہ جمہوریت میں فیصلہ کثرت تعداد کی بنیاد پر کیا جاتا ہے جبکہ نظام بیعت میں اظہار رائے اور کھلی بحث وتمحیص کے بعد آخری فیصلہ صاحب امر (یعنی امیر جماعت) کی صوابدید پر چھوڑ دیا جاتا ہے، جو کثرت تعداد کی بجائے اصحاب الرائے کے مشوروں کی اصابت کو پیش نظر رکھ (تول) کر آخری فیصلہ کرتا ہے۔ گویا نظام بیعت میں اصول قرآنی ﴿وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ﴾ (الشوریٰ:38) ''کہ ان (مسلمانوں) کے باہمی معاملات مشورے کے ذریعے طے ہوتے ہیں'' کی بالفعل تعمیل اس حکم قرآنی کے مطابق ہوتی ہے کہ

﴿وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ﴾ (آل عمران:159)

''اور تم (اہم معاملات میں) ان (مسلمانوں) سے مشورہ کیا کرو، پس جب تم (مشوروں کی روشنی میں) کوئی فیصلہ کرلو تو پھر اللہ پر توکل کرو''۔

اساسی نظریات

تنظیم کے اساسی نظریات اور بنیادی دینی تصورات ایک علیحدہ کتابچے ''تعارف تنظیم اسلامی'' میں تفصیل کے ساتھ بیان کردیئے گئے ہیں۔ بالاختصار انہیں یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ:

☆ اسلام دین ہے، محض مذہب نہیں۔ اس میں نہ صرف انفرادی زندگی بلکہ اجتماعی زندگی کے بارے میں بھی تفصیلی احکامات دیئے گئے ہیں۔ واضح رہے کہ انفرادی زندگی کے تین نمایاں گوشے ہیں۔ عقائد' عبادات کے طور طریقے' پیدائش، شادی بیاہ اور وفات سے متعلق معاشرتی رسومات جبکہ اجتماعی زندگی کے نمایاں گوشوں میں سماجی نظام، معاشی نظام اور سیاسی نظام شامل ہیں۔

☆ اسلام چونکہ دین ہے' لہٰذا اُس کا مزاج ہی یہ ہے کہ وہ اپنا غلبہ چاہتا ہے۔ لہٰذا جہاں انفرادی زندگی میں احکامات اسلامی پر عمل کرنا ضروری ہے' وہیں اجتماعی زندگی میں بھی احکامات اسلامی کا نفاذ لازم ہے۔ اسی کا نام اقامت دین ہے۔ اقامت دین کی جدوجہد میں شرکت بھی بنیادی دینی فرائض میں شامل ہے۔ یعنی اگر کسی خطۂ زمین میں دین غالب نہ ہو تو اسے قائم اور نافذ کرنے کے لئے جدوجہد کرنا ہر مسلمان کا لازمی دینی فریضہ ہے اور اس کام کے لئے ایک تنظیم یا جماعت کا ہونا ضروری ہے۔

انقلاب کا طریق کار

تنظیم اسلامی انقلاب اسلامی کے لئے اُس طریقہ کار پر عمل پیرا ہے' جو نبی اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ سے ثابت ہے۔ انقلاب کا پہلا مرحلہ انقلابی نظریہ کی اشاعت ہے۔ ممکنہ حد تک اس اسلامی انقلابی نظریہ کو عام کرنے اور اس کے لئے سارے

جائز ذرائع استعمال کر رہی ہے تاکہ مسلمانوں کو اپنے فرائض کا احساس ہو اور وہ دین توحید کو خود بھی اختیار کریں اور اجتماعی نظام میں بھی اسے رائج کرسکیں۔

دوسرا مرحلہ جماعت سازی کا ہے۔ تنظیم اسلامی بیعت سمع و طاعت کی مضبوط، منصوص، مسنون اور ماثور اساس پر استوار کی گئی ہے۔

تیسرا مرحلہ تربیت کا ہے جو حاصل ہوتا ہے پورے کے پورے دین پر عمل کرنے سے۔ پورے دین پر عمل کرنے کے نتیجے میں بگڑے ہوئے معاشرے کی طرف سے ایسی مخالفت ہوتی ہے جو انسان کو کندن بنا دیتی ہے۔ پھر صبر محض کے مرحلے سے گزرنا تو اول دن ہی سے اس راہ کا لازمی حصہ ہے۔

ان مراحل سے گزر کر معتدبہ تعداد پر مشتمل ایک جماعت فراہم ہوگئی تو پھر اقدام کے مرحلے کا آغاز کیا جاسکے گا۔ اقدام کے مرحلے میں باطل نظام کو چیلنج کیا جائے گا۔ کسی ایک منکر (جو تمام دینی مکاتب فکر کے نزدیک منکر ہو، مثلاً سود، جوا، لاٹری، فحاشی وغیرہ) کے خلاف پُرامن، منظم مظاہروں، دھرنے اور گھیراؤ کے ذریعے اقدام کیا جائے گا کہ اب یہ کام (منکر) ہم نہیں ہونے دیں گے۔ اس کے نتیجے میں باطل نظام طاقت استعمال کرے گا تو اگر اس تمام تر تشدد اور طاقت کا استعمال وہ جماعت سہہ جائے اور کوئی جوابی کارروائی نہ کرے، لیکن اپنے مؤقف پر ڈٹی رہے تو اس کے تین نتائج نکل سکتے ہیں۔

پہلا ممکنہ نتیجہ یہ ہے حکومت ان مظاہروں کے نتیجہ میں پسپائی اختیار کرے، یعنی منکرات کو ختم کرنا شروع کردے، تو اور کیا چاہئے۔ ایک منکر کے بعد دوسرے اور دوسرے کے بعد تیسرے منکر کے خلاف مظاہرے جاری رہیں گے تاآنکہ پورے کا پورا نظام اسلام کے سانچے میں ڈھل جائے۔

دوسرا ممکنہ نتیجہ یہ نکل سکتا ہے کہ حکومت وقت اسے اپنی بقا، اپنی انا اور اپنے مفادات کے تحفظ کا مسئلہ بنالے اور طاقت کے استعمال سے اسلامی تحریک کو کچلنے کی کوشش کرے۔ حکومت وقت کسی ایسی تحریک کو ٹھنڈے پیٹوں برداشت نہیں کرتی جس کے کامیاب ہونے کے نتیجہ میں سرمایہ دارانہ اور جاگیردارانہ استحصالی نظام ختم ہوجائے اور اسلام کا عادلانہ و منصفانہ نظام قائم ہوجائے۔ لہٰذا وہ ریاست کی پولیس اور فوج کو اس تحریک کو کچلنے کے لئے بے دریغ استعمال کرے گی۔ اگر تحریک کے کارکنوں نے صبر و استقامت کا ثبوت دیا تو پورے وثوق کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ بالآخر پولیس اور فوج جواب دے دے گی کہ یہ مظاہرین ہمارے ہی ہم مذہب اور ہم وطن ہیں، ہمارے ہی اعزہ و اقرباء ہیں۔ یہ لوگ اپنی کسی ذاتی غرض کے لئے میدان میں نہیں آئے ہیں بلکہ اللہ کے دین کی سربلندی اور اس کے قیام کے لئے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرنے کے لئے نکلے ہیں، تو آخر ہم کب تک ان کو اپنی گولیوں سے بھونتے چلے جائیں؟ نتیجہ یہ نکلے گا کہ حکومت کا تختہ الٹ جائے گا اور تحریک کامیابی سے ہم کنار ہوگی، جیسا کہ ایران میں ہوا کہ شہنشاہ ایران جیسے آمر مطلق کو بھی ایسی صورت حال میں حسرت و یاس کے عالم میں ملک چھوڑ کر فرار ہونا پڑا...... تو یہ دو ممکنہ صورتیں تو اسلامی انقلاب برپا ہوجانے کی ہیں۔

تیسرا نتیجہ یہ نکل سکتا ہے کہ حکومت وقت اس تحریک کو کچلنے میں کامیاب ہوجائے۔ اس صورت میں جن لوگوں نے اس راہ میں جانیں دی ہوں گی ان کی قربانیاں ہرگز ضائع نہیں ہوں گی۔ وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں اجر عظیم اور فوز کبیر سے نوازے جائیں گے' اور اس طرح اسلامی انقلاب برپا نہ ہونے کے باوجود وہ آخرت میں ناکام نہیں ہوں گے بلکہ آخرت کی حقیقی کامیابی اُن کے قدم چومے گی۔ ان شاءاللہ

تنظیمی ڈھانچہ

تنظیم اسلامی کا تنظیمی ڈھانچہ مرکزی نظام، حلقہ جاتی نظام، مقامی تنظیموں، اُسرہ جات اور منفرد رفقاء پر مشتمل ہے۔ خواتین کا علیحدہ نظم قائم ہے۔ اس میں بھی یہ تمام درجات موجود ہیں۔

تنظیم کا سب سے بنیادی یونٹ اُسرہ کہلاتا ہے۔ اُسرہ عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں خاندان۔ اس میں عام طور پر 3 تا 10 رفقاء ہوتے ہیں اور اس کا سربراہ نقیب کہلاتا ہے۔ کسی مقام پر 2 یا زائد اُسرہ جات کی موجودگی میں بالعموم مقامی تنظیم قائم کردی جاتی ہے۔ مقامی تنظیم کا سربراہ امیر مقامی تنظیم کہلاتا ہے۔

دعوت کی توسیع اور تنظیمی رابطوں کو آسان اور مستحکم بنانے کے لئے ملک کے مختلف حصوں میں حلقہ جات قائم ہیں' جو اپنے اپنے علاقوں میں دعوتی اور تنظیمی سرگرمیوں نیز مالی معاملات کے حوالے سے خود مکتفی اور ذمہ دار ہیں۔

مرکزی نظم میں امیر تنظیم کے بعد اہم ترین عہدہ ناظم اعلیٰ کا ہے۔ تنظیم کے موجودہ ناظم اعلیٰ جناب اظہر بختیار خلجی ہیں۔

تنظیم اسلامی میں نظم (نیچے سے اوپر کو) اس طرح سے ہے۔

نقیب اُسرہ ← امیر مقامی تنظیم ← امیر حلقہ ← ناظم اعلیٰ ← امیر تنظیم اسلامی۔

تنظیم کے تحت کئی شعبہ جات کام کررہے ہیں۔ اُن کی تفصیل ذیل میں دی جارہی ہے۔

(i) **شعبۂ مالیات:** تنظیم اپنے تنظیمی و دعوتی اخراجات کے لئے انحصار اپنے رفقاء و رفیقات ہی کے جذبہ انفاق پر کرتی ہے اور عام چندے کی اپیل نہیں کرتی۔ تنظیم کے شرکاء بالعموم ہر ماہ تنظیم کے لئے انفاق کرتے ہیں جس کی وصولی خرچ اور آڈٹ کا باقاعدہ نظام تنظیم میں ہر سطح پر موجود ہے۔

(ii) **شعبۂ دعوت:** انقلابی دعوت کو عوام الناس تک پہنچانے کے لئے ہر ممکنہ جائز ذرائع استعمال کئے جاتے ہیں۔ جن میں اہم تر دروس قرآن کے حلقے ہیں جو پورے ملک میں وسیع پیمانے پر قائم ہیں۔ اس کے علاوہ کارنر میٹنگز، جلسہ ہائے عام، تفہیم دین پروگراموں کے ذریعے دعوت کو عام کرنے کی کوششیں جاری ہیں۔

(iii) **شعبۂ تربیت:** تنظیم اسلامی میں رفقاء کی تربیت کا مؤثر نظام قائم ہے۔ مرکزی سطح پر تسلسل کے ساتھ ہفت روزہ تربیت گاہ کا اہتمام کیا جاتا ہے جو مرکزی دفتر تنظیم اسلامی کے علاوہ ضرورت کے مطابق حلقہ جات کے دفاتر میں بھی (جہاں ممکن ہو) منعقد کی جاتی ہیں۔ مرکزی سطح پر خط و کتابت کے ذریعے بھی یہ کام سرانجام دیا جاتا ہے۔

اس کے علاوہ مقامی تنظیم اور اُسرہ جات کی سطح پر بھی تربیتی پروگرام منعقد کئے جاتے ہیں اور مقامی ذمہ دار حضرات انفرادی سطح پر بھی یہ کام سرانجام دیتے ہیں۔

(iv) **شعبۂ نشر و اشاعت:** دعوت کے فروغ کے لئے تنظیم مختلف مؤثر ذرائع استعمال کرتی ہے۔ اس ضمن میں کتب، رسائل و جرائد اور آج کے دور میں بالخصوص آڈیو، وڈیو کیسٹس اور CD's سے مدد لی جاتی ہے۔ کتب اور کیسٹس کی ایک طویل فہرست ہے۔ دروس قرآن، دورۂ ترجمۂ القرآن اور دیگر موضوعات کے خطابات پر مشتمل CD's کی بھی مناسب تعداد میں موجود ہیں۔

ماہانہ ''میثاق'' اور ہفت روزہ ''ندائے خلافت'' کو تنظیم کے ترجمان جرائد کی حیثیت حاصل ہے۔ تنظیم کی اپنی ویب سائیٹ www.tanzeem.org کے نام سے موجود ہے' جس پر امیر تنظیم کا تازہ خطاب جمعہ، بانیٔ تنظیم کے متعدد خطابات و دروس اور ہفت روزہ ندائے خلافت Upload کئے جاتے ہیں۔

تنظیم میں شمولیت

روئے ارضی کے کسی بھی مقام پر قیام پذیر ہر بالغ مسلمان (خواہ مرد ہو خواہ عورت) تنظیم میں شامل ہوسکتا ہے بشرطیکہ وہ تنظیم کے اساسی نظریات اور دینی تصورات سے فی الجملہ متفق ہو اور امیر تنظیم سے بیعت مسنونہ کے رشتے میں منسلک ہوجائے۔

آئیے ہمارا ساتھ دیجئے!

غلبہ و اقامت دین کی جدوجہد کرنا کوئی اضافی نیکی نہیں بلکہ ہر مسلمان کا فرض منصبی ہے۔ تنظیم اسلامی اجتماعی طور پر اسی فرض کی ادائیگی کیلئے کوشاں ہے۔ آیئے اپنے اس فرض کی ادائیگی کیلئے تنظیم اسلامی کے دست و بازو بن جائیں اور اللہ کی زمین پر اللہ کا حکم نافذ کرنے کی کوشش کریں۔ تاکہ ہمارا اللہ ہم سے راضی ہو اور دنیا سے طاغوتی اور شیطانی نظام کا خاتمہ ہو اور سسکتی ہوئی انسانیت اسلام کے نظام عدل و قسط کے سائے میں امن و سکون کی زندگی بسر کرسکے۔

کہا اقبال نے

جس میں نہ ہو انقلاب موت ہے وہ زندگی
روحِ امم کی حیات' کشمکشِ انقلاب

افغانستان اور عراق پر مسلط کردہ جنگوں میں

امریکہ اور برطانیہ کا اعترافِ شکست

مرزا ندیم بیگ

اکتوبر 2001ء میں امریکہ کے صدر اور فرعون وقت جارج ڈبلیو بش نے اپنی بے پناہ طاقت کے نشے میں غربت' بھوک اور افلاس سے مارے ہوئے افغانستان پر چڑھائی کی تو کسی کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ نہتے اور بے یارومددگار طالبان دنیا کی واحد عالمی سپر پاور طاقت کے لئے وبال جان بن جائیں گے۔ حالانکہ افغانستان میں امریکہ نے جس بربریت اور وحشت کی تاریخ رقم کی ہے اُس کی مثال ماضی میں بھی نہیں ملتی۔ مثلاً زندہ انسانوں کو ہاتھ پاؤں باندھ کر بھیڑ اور بکریوں کی مانند آہنی کنٹینرز میں بند کر کے تپتی دھوپ میں رکھ دیا گیا۔ نتیجتاً کئی بے گناہ بھوک' پیاس' حبس اور شدت گرمی سے موت کی وادی میں چلے گئے۔ اسی پر بس نہیں کیا گیا۔ امریکی اور اتحادی فوجیوں نے لاشوں کی شہ رگیں کاٹ کر اُن میں پٹرول بھر کر آگ لگائی اور کھوپڑیوں کے رقص کا نظارہ کیا۔ کئی ہنستے بستے گھروں کو مکینوں کا قبرستان بنا دیا۔ کئی شہروں کو کھنڈرات میں بدل دیا گیا۔

ظلم وستم کی بے مثال داستانوں کے باوجود امریکہ اور اس کے ''پالتو'' افغان حکمرانوں کی حکومت افغانستان میں تو کیا پورے دارالحکومت کابل پر بھی قائم نہیں ہو سکی۔ اور صورتحال یہ ہے کہ امریکی' اتحادی اور نیٹو کی افواج ''بچاؤ بچاؤ'' کا شور مچا رہی ہیں۔ نیٹو افواج نے تو کئی مقامات پر امن کے لئے طالبان سے مذاکرات بھی کئے ہیں' یہ وہی طالبان ہیں جنہیں دہشت گرد قرار دیا جاتا ہے۔

افغانستان میں اپنے انجام سے بے خبر فرعون وقت بش کے مشیروں نے اُسے عراق پر حملے کا مشورہ دیا اور حملے کی بنیاد یہ بنائی گئی کہ عراق کے پاس خطرناک ایٹمی ہتھیار ہیں جو انسانیت کے لئے مہلک ہیں اور دوسرا یہ کہ صدر صدام حسین کے القاعدہ کے ساتھ تعلقات ہیں۔ لہٰذا مارچ 2003ء میں ابرہۂ وقت کی فوجیں اپنے ''ہاتھیوں'' سمیت عراقی ''ابابیلوں'' کو ختم کرنے کے لئے آ گئیں۔ کہا گیا تھا کہ عراقی عوام امریکی فوجوں کے لئے سڑکوں پر نکل آئیں گے اور خیر مقدمی ترانے گائے جائیں گے۔ فوجیوں کے گلے پھولوں کے ہاروں سے لد جائیں گے اور جارحیت کے امام جارج بش کو عراقی قوم کا نجات دہندہ قرار دیا جائے گا۔ مگر عراق میں معاملہ اس کے برعکس ہوا۔ صرف گزشتہ ماہ اکتوبر کے مہینے میں امریکی فوجیوں کی ہونے والی ہلاکتوں نے یونائیٹڈ سٹیٹس آف امریکہ کے در ودیوار کو ہلا کر رکھ دیا ہے اور اکتوبر کے مہینے کو امریکی فوج کی تاریخ کا سیاہ ترین مہینہ قرار دیا جا رہا ہے۔ اور یہی وہ مہینہ ہے جس میں صدر بش نے تسلیم کیا کہ عراق ہمارے لیے دوسرا ویتنام بن گیا ہے۔ یہ اُس شخص کا اعتراف شکست ہے جو ''فتح ہمارا مقدر ہے'' کے نعرے لگاتے ہوئے افغانستان اور عراق میں داخل ہوا تھا۔

عراق کی جنگ کی بنیاد بننے والے الزامات کی بھی خود امریکہ تردید کر چکا ہے کہ نہ ہی عراق کے پاس کوئی ایٹمی ہتھیار ہے اور نہ صدام حسین کے القاعدہ کے ساتھ تعلقات تھے۔ جھوٹ' فریب اور مکر کی بنیاد پر لڑی جانے والی جنگ امریکہ کے لئے ایک ایسی ہڈی بن چکی ہے جو نگلی جاتی ہے اور نہ اُگلی جاتی ہے۔

امریکہ کے سب سے بڑے اتحادی ملک برطانیہ کی فوج کے سربراہ جنرل سر ڈینیٹ رچرڈ نے برطانوی افواج کو واپس بلانے کی تجویز دے کر اپنی حکومت کی ''کامیاب'' عراق پالیسی کا جنازہ نکال دیا ہے۔ انہوں نے اپنی فوجوں کی عراق میں موجودگی کو سیکورٹی کے مسائل میں اضافے کا موجب قرار دیتے ہوئے کہا کہ ہماری حکومت کا عراق میں لبرل ڈیموکریسی قائم کرنے کا خواب دیکھنا اناڑی پن ہے۔ ہمیں اناڑی پن چھوڑ کر اپنی فوجیں واپس بلا لینی چاہیے۔ جنرل رچرڈ نے اپنی حکومت کو خبردار کرتے ہوئے کہا کہ مجھے ایک فوج کی دیکھ بھال کرنی ہے اور ہمیں یہ فوج آئندہ سالوں میں بھی چاہیے اور اگر فوج مزید عرصہ عراق میں رہی تو ٹوٹ جائے گی۔ یہ اُس فوج کے سربراہ کا اعتراف شکست ہے جس کے فوجیوں نے رعونت' تکبر اور طاقت کے نشے میں چُور ہو کر ابوغریب جیل میں بند قیدیوں سے شرمناک سلوک کیا تھا۔

آج جس نتیجے پر فرعون وقت اور اس کے اتحادی پہنچے ہیں' اُس نتیجے کے بارے میں امریکہ' برطانیہ سمیت پوری دنیا کے دانشور اور ماہرین جنگی امور بش اینڈ کمپنی کو خبردار کر رہے تھے مگر ''فتح ہمارا مقدر ہے'' جیسے نعرے نے امریکی صدر کی مت ماری ہوئی تھی۔

ایک جانب بُش اینڈ کمپنی افغانستان اور عراق سے بھاگنے کے منصوبوں پر غور کر رہی ہے اور اس کے لیے تین تجزیاتی گروپ قائم کر دیئے ہیں۔ ایک گروپ کے سربراہ سابق وزیر خارجہ جیمز بیکر ہیں۔ دوسرا گروپ ڈیموکریٹس اور ری پبلکن پارٹی کے سینٹرز پر مشتمل ہے جبکہ تیسرا گروپ سی آئی اے کا ہے۔ دوسری جانب ایک دھمکی سے جھکنے والے امریکی اتحادی جنرل پرویز مشرف المعروف جنرل مُش عراق سے امریکی اور اتحادی فوجوں کے انخلاء کی تجویز کو غلطی سے تعبیر کرتے ہیں۔ موصوف ''فرماتے'' ہیں کہ ''میں عراق سے فوجیں نکالنے کی تجویز سے متفق نہیں ہوں کیونکہ اگر فوجیں واپس چلی گئیں تو نہ صرف خطے پر بلکہ پوری دنیا پر اثر ہوگا۔'' اس بات کا نتیجہ اور کچھ نکلے یا نہ نکلے' مگر ہمارے صدر نے افغانوں کے بعد عراقیوں کو بھی اپنا دشمن بنانے کی راہ ہموار کر لی ہے۔ جبکہ زمینی حقائق یہ ہیں کہ پوری دنیا کے دانشور' صحافی' سابق صدور اور وزرائے خارجہ' فوجی سربراہان' خفیہ ادارے اور عوام چیخ چیخ کر کہہ رہے ہیں' افغانستان اور عراق سے فوجیں نکالی جائیں مگر جنرل مش ہیں کہ شاہ سے زیادہ شاہ کے وفادار بنے کے فارمولے پر عمل پیرا ہیں اور فوجوں کے انخلاء کو غلطی قرار دے رہے ہیں حالانکہ غلطی تو یہ تھی کہ آپ امریکی غنڈے رچرڈ آرمیٹج کی دھمکی سے مرعوب ہو کر امریکہ کے گھڑے کی مچھلی بن گئے اور وطن عزیز کی دوست اور بے قصور افغان حکومت سے منہ موڑ لیا اور وہاں پر ایسے شخص کو حکمران بنا دیا جو پاکستان کے ازلی دشمن بھارت کے ہاتھوں میں کھلونا بنا ہوا ہے اور جس کی وجہ سے 80 ہزار کے قریب جوان پاک افغان سرحد پر تعینات ہیں۔ غلطی تو یہ تھی کہ ہم نے امریکہ کے کہنے پر وزیرستان میں فوجی آپریشن کیا اور بھائی کو بھائی کے ہاتھوں قتل کرایا اور بالآخر مذاکرات کئے گئے۔ اگر مذاکرات کی ''غلطی'' شروع میں ہو جاتی تو کئی گھر برباد نہ ہوتے۔ اور اب ہمالیہ جیسی غلطی باجوڑ کے سانحے پر گمراہ کن ردعمل اور بیانات ہیں۔

جناب صدر! امریکی شیشوں والی عینک اتار کر حقائق کی دنیا میں جھانکیں۔ امریکہ کسی کا دوست نہیں' وہ صرف اور صرف اپنے مفادات کا دوست ہے۔ دونوں ملکوں سے فوجوں کے انخلاء سے حالات بگڑیں گے نہیں بلکہ سدھریں گے۔ اگر آج فرعونی قوتیں ویتنام کے بعد افغانستان اور عراق سے بھاگنے پر مجبور ہیں تو یہ خدائے بزرگ وبرتر کا عظیم معجزہ ہے کہ حقیقتاً قوی اور عزیز صرف اللہ جل جلالہ کی ذات مقدس ہے۔ باقی سب قوتیں اور طاقتیں فنا ہو جانے والی ہیں۔ اگر ہمیں پاکستان کی بقا اور عزت درکار ہے تو امریکہ کی جھولی سے نکل کر اللہ کے دامن میں آنا پڑے گا۔

بیت المقدس کو چھڑانے کے لئے

صلیبیوں کی جنگی تیاریاں

صلاح الدین ایوبی کی فتح بیت المقدس کی خبر یورپ میں اکتوبر 1187ء کے آخری ہفتے میں پہنچی۔ مغربی دنیا کو اس خبر سے سخت صدمہ ہوا۔ عیسائی دنیا کی آنکھ میں دنیا تاریک ہوگئی۔ پوپ اربن ثالث کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ اس خبر کو سنتے ہی فرطِ غم اور اندوہ سے دل شکستہ ہو کر مر گیا۔ فرانسیسی مؤرخ میچاڈ کے بقول:

''عیسائیوں نے اپنے اپنے ملکوں کے تمام مصائب یروشلم پر رونے کی خاطر فراموش کر دیئے اور تمام پرائیویٹ کاروباری کمپنیوں کے لیے یہ غم سب غموں سے بڑھ گیا۔ پادری شہر بہ شہر ایسی توہین آمیز تصویریں لیے پھرتے تھے جن میں حضرت مسیحؑ کی قبر کو مسلمانوں کے گھوڑوں کے سُم روند رہے تھے اور حضرت محمد ﷺ نے مسیحؑ کو زمین پر گرا رکھا تھا۔ (نعوذ باللہ) یروشلم کے بادشاہ اور عیسائی سرداروں کے گرفتار ہونے اور خداوند کی کنواری عورتوں کی قسمت اور بچوں کی مصیبتوں پر نوحے اور دردناک گیت پڑھے اور گائے جاتے تھے۔''

اس کے علاوہ عجیب لغو اور لایعنی قصے اور افسانے، معجزات اور عجائبات کی کہانیاں مشہور کی گئیں۔ مثلاً مؤرخ رگورڈ بیان کرتا ہے کہ:

''جس روز صلاح الدین بیت المقدس میں داخل ہوا، عیسائی فقیروں نے چاند کو آسمان سے زمین پر اُترتے اور دوبارہ آسمان پر چڑھتے دیکھا۔ بہت سے گرجاؤں میں صلیبیوں اور عیسائی ولیوں کی دیواری تصویروں سے عیسائی دین داروں کے سامنے خون کے آنسو نکلے۔''

عیسائی دنیا میں اچانک زبردست انقلاب آ گیا۔ مسیحؑ کی قبر کے واسطے روتے ہوئے وہ انجیل کے احکام پر عمل کرنے لگے اور بااخلاق ہو گئے۔ عیش و عشرت شہر سے خارج ہو گئی۔ تکالیف فراموش ہو گئیں۔ صدقے خیرات کثرت سے دی جانے لگیں۔ عیسائی راکھ پر سونے لگے اور بھیڑوں کی کچی اُون کا لباس پہننے لگے اور مختلف قسم کی تکالیف اپنے واسطے خود ہی اختیار کرتے تھے۔

چند ماہ کے صبر کے بعد اب انتقام کا وقت شروع ہوا۔ ولیم آرچ بشپ آف ٹائر روم سے یورپ آیا کہ یورپ کے بادشاہوں سے صلیبیوں کے لیے امداد طلب کرے۔ اُس وقت فرانس اور انگلستان میں باہم کشمکش تھی۔ ولیم نے ایک بڑی مجلس میں رقت آمیز انداز میں صلاح الدین کی فتح بیت المقدس کا حال بیان کیا، جس سے سامعین پھوٹ پھوٹ کر رو دیئے۔ پھر اُس نے ایک درد انگیز اور پُر جوش تقریر کی کہ عیسائیوں میں پھر وہی جنون اور جوش پیدا ہو گیا۔ ولیم پوپ نے مذہب کے نام پر جو ملامتیں عیسائی بادشاہوں اور سرداروں پر کیں، اُن کا بھی نہایت اثر ہوا۔ انگلستان کا بادشاہ ہنری دوم اور فرانس کا بادشاہ فلپ آگسٹس، جو اُس وقت تک ایک دوسرے کے جانی دشمن تھے، گلے مل کر رو دیئے اور آگے بڑھ کر سب سے پہلے صلیب حاصل کی۔ علاوہ ازیں یورپ کے کثیر التعداد سرداروں اور نائٹوں اور فرانس اور انگلستان کے اکثر بشپوں نے ارضِ مقدس کو چھڑانے کی قسم کھائی اور تیاریاں ہونے لگیں۔

> عیسائی مجلس نے فیصلہ کیا: جو لوگ بذاتِ خود جنگ میں شریک نہ ہوں، وہ اپنی آمدنی اور ہر قسم کی جائیداد کا دسواں حصہ خرچ کے لیے ادا کریں۔ اس خراج یا محصول کا نام ''سلاڈین ٹیتھ'' یعنی ''عُشرِ صلاح الدین'' رکھا گیا

اس ''مقدس'' مہم کے سب سے بڑی اور پہلی ضرورت روپے کی تھی۔ روپے کا انتظام کرنے کی غرض سے بادشاہوں، سرداروں اور بڑے پادریوں کی ایک مجلس منعقد ہوئی۔ اس مجلس نے فیصلہ کیا کہ جو لوگ صلیب نہ لیں، یعنی بذاتِ خود جنگ میں شریک نہ ہوں، وہ اپنی آمدنی اور ہر قسم کی جائیداد کا دسواں حصہ خرچ کے لیے ادا کریں۔ صلاح الدین ایوبی کے ہتھیاروں کا جو خوف اور ہیبت تمام عیسائی دنیا پر چھا گئی تھی، وہ اس شکل میں ظاہر ہوئی کہ اس خراج یا محصول کا نام ''سلاڈین ٹیتھ'' (Saladin Tenth) یعنی ''عُشرِ صلاح الدین'' رکھا گیا۔ یہ عشر صلاح الدین انگلستان اور فرانس میں وصول کیا گیا۔ حکم تھا کہ جو شخص یہ عشر دینے سے انکار کرے، اُسے عیسائیت اور برادری سے خارج کر دیا جائے گا۔ یعنی جو صلاح الدین کے نام کا خراج ادا نہیں کرتا تھا، وہ عیسائی نہیں رہتا تھا۔ عام پادریوں نے پہلے تو پس و پیش کیا اور اپنے ذاتی مال سے مسیحؑ کے نام کو زیادہ معزز سمجھنے کی طرف میلان ظاہر نہ کیا اور کہا کہ ''اُن کی مقدس دعائیں ہر ایک ضرورت کے پورا کرنے اور ہر ایک کی مدد کے واسطے کافی ہیں''، مگر وہ بھی آخر کار مجبور ہو گئے۔

جو اقرار ایک فاتح کے فتح مند ہتھیاروں اور ڈرانے والے نام کا یورپ نے صلاح الدین ایوبی کے واسطے کیا ہے، وہ کسی فاتح کو دنیا میں کہیں اور نصیب نہ ہوا ہوگا۔ مؤرخ رابن لکھتا ہے:

''عشر صلاح الدین ایک نہایت اہم عجیب و غریب واقعہ اور ایک شریف یادگار ہے۔ یہ صرف صلاح الدین کی ناموری اور بہادری ہی کا اعلان ہمارے ملکوں میں نہیں کرتا، جو ایک دُور دراز ملک میں بادشاہ تھا، بلکہ اُس خوف اور دہشت کا اظہار بھی کرتا ہے جو اُس کے نام سے وابستہ تھی۔ باوجود ایک بڑی تشبیہ کے ہم نے اپنے کسی ٹیکس کا نام 'بوناپارٹ ٹیکس' نہیں رکھا تھا۔''

عشر صلاح الدین کے بارے میں جتنے بھی شاہی اور سرکاری احکام مشتہر و جاری کیے گئے تھے، اُس کی نقل مؤرخ میچاڈ نے اپنی کتاب کے ضمیمے میں شامل کی ہے۔

دریں اثنا فرانس اور انگلستان کے درمیان پھر جنگ چھڑ گئی اور عشر صلاح الدین کا ایک حصہ اس میں صرف ہو گیا۔ اس تنازعے میں انگلستان کے بادشاہ ہنری دوم اور اُس کے ضدی بیٹے رچرڈ کے درمیان سخت بگاڑ ہو گیا، مگر آخر کچھ مصالحت ہو گئی۔ ہنری اس کے تھوڑے ہی عرصے کے بعد اپنے بیٹے رچرڈ کو بددعائیں دیتا ہوا اس دنیا سے گزر گیا اور رچرڈ انگلستان کا بادشاہ ہوا۔

انگلستان کے تخت پر بیٹھتے ہی رچرڈ نے بیت المقدس کو مسلمانوں سے چھڑانے کے پُرانے وعدے کا اعادہ کیا اور سرگرمی سے تیاری میں مصروف ہوا۔ انگریز قوم کی اس تیاری کا ایک اور مفہوم بے پناہ یہودیوں پر ظلم کرنا تھا۔ پہلے صلیبیوں میں بھی روپے کی ضرورت یہودیوں کا خون بہا کر پوری کی گئی تھی، کیونکہ روپیہ کے ذخائر ہمیشہ یہودیوں کے قبضے میں خیال کیے جاتے تھے۔ اس دفعہ بھی لندن اور یارک وغیرہ شہروں میں یہود کی ایک بہت بڑی تعداد کا قتل عام کیا گیا، لیکن یہودیوں کی لوٹ اور عشر صلاح الدین سے، جو نہایت جبر و تشدد سے وصول کیا جاتا تھا، بادشاہ رچرڈ کی ضرورت اور خواہش پوری نہ ہوئی۔ رچرڈ نے جاگیراتِ خاصہ فروخت کر دیں اور کہتا تھا کہ ''شہر لندن کو بھی بیچنے کے لیے تیار ہوں، اگر کوئی اس کا خریدار پیدا ہو سکے۔'' اس کے

بعد رچرڈ نارمنڈی گیا اور اس دولت مند صوبے کی جاگیرات سے بہت سا روپیہ جمع کیا۔

انگلستان اور فرانس دونوں جب اِس سفر کی تیاریاں کر چکے تو دونوں بادشاہوں نے ایک ملاقات کی اور سمندر کے راستے سفر کرنے کا فیصلہ کیا اور فوج وغیرہ کی تنظیم کے لیے کچھ قوانین و قواعد مقرر کیے۔ خاص جرائم کے لیے خاص سزائیں تجویز کیں' اور چونکہ پہلی صلیبی جنگوں میں عورتوں کی شمولیت سے بہت سی خرابیاں پیدا ہوئی تھیں' اِس دفعہ عورتوں کو ساتھ لے جانا ممنوع قرار دیا گیا اور جُوا کھیلنے کے تمام طریقے ممنوع قرار دیئے گئے۔ فرانس کے بادشاہ اور اکثر والیانِ ریاست اور سردار' جن کا اپنے ملکوں کو واپس آنے کا ارادہ یا یقین نہیں تھا' انہوں نے اپنے پیچھے انتظام ملک کے لیے وصیتیں کر دیں اور رچرڈ اور فلپ دونوں سمندر کے راستے سے مختلف مقامات سے روانہ ہو گئے۔ جو تنازعات اور جھگڑے اِن دونوں بادشاہوں میں' یا جو اور واقعات ان پر مسلمانوں سے جنگ کرنے کے مقام پر پہنچنے سے پہلے گزرے ہیں' وہ ہمارے مضمون کی وسعت سے خارج ہیں۔

سلطان صلاح الدین ایوبی نے جواب میں لکھا: ''عیسائی اگر امن اور خیریت چاہتے ہیں تو دو چار شہر جو اُن کے قبضے میں رہ گئے ہیں' اُن کو چھوڑ کر چلے جائیں' ورنہ وہ بھی اِسی طرح بزورِ شمشیر فتح کیے جائیں گے۔''

پوپ ولیم آف ٹائر یعنی اِس نئی ہونے والی صلیبی جنگ کا محرک واعظ فرانس سے جرمنی کو گیا تھا کہ جرمنی کے بادشاہ فریڈرک بار بروسہ کو اِس مقدس جنگ میں شریک ہونے اور صلیب لینے کی ترغیب دے۔ فریڈرک اگرچہ سن رسیدہ بادشاہ تھا' لیکن اپنی شجاعت کی وجہ سے بڑا مشہور تھا اور اس سے پہلے چالیس چھوٹی بڑی لڑائیوں میں دادِ شجاعت دے چکا تھا۔ دنیوی شان و شوکت کے لحاظ سے بھی نامور تھا۔ اب پوپ کی ترغیب سے اُس کو اپنے پُر جوش ہم عصروں میں ناموری حاصل کرنے کا شوق پیدا ہوا۔ چنانچہ اُس نے اقرار کر لیا اور صلیبی جنگ کے لیے تیار ہوا۔

شاہ فریڈرک بار بروسہ کی تحریک پر ایک مجلس میں جرمنی کے امراء' والیان ریاست' نائٹ اور پادری جمع ہوئے' اور ولیم کے ہاتھ سے صلیب کا نشان حاصل کیا۔ بادشاہ کے بعد اس کے بیٹے ڈیوک آف سوابیا' آسٹریا' مریویا' بیڈن کے والیان اور بہت سے سرداروں اور پادریوں نے صلیبیں اور اور حضرت مسیح ؑ کی قبر مسلمانوں کے قبضے سے چھڑانے کے واسطے قسمیں کھائیں۔ تمام گرجاؤں میں جنگ کے وعظ کیے گئے اور معجزات کا زور شور سے بیان ہوا۔ اور جو لوگ جنگ میں جانے کو تیار ہوئے' اُن کی بھیڑ اور مجمع اِس قدر عظیم تھا کہ اُن کے جوش کو ٹھنڈا کرنے کے واسطے تدابیر اختیار کرنی پڑیں۔ یہی فریڈرک دوسری صلیبی جنگ میں بھی اپنے چچا کانریڈ کے ساتھ گیا تھا اور آدمیوں کے ہجوم کی کثرت سے جو مصائب اُس پر نازل ہوئے تھے' اُن سے اچھی طرح واقف تھا اِسی لیے حکم دیا کہ صرف وہ لوگ جا سکیں گے جو تین مارک (سکہ) چاندی کے اپنے ساتھ لے جا سکتے ہیں۔ اُس نے تمام آوارہ گردوں اور مہم جُو لوگوں کو صلیبی قافلے سے خارج کر دیا۔

فریڈرک نے اپنی روانگی سے پیشتر شہنشاہ قسطنطنیہ اور سلطان قونیہ کے پاس سفیر بھیجے اور اُن کے ملک سے آزادانہ گزرنے کی درخواست کی۔ بعدازاں خود صلاح الدین ایوبی کے پاس سفارت بھیجی اور لکھا کہ یروشلم اور دوسرے عیسائی شہر' جو عیسائیوں کے قبضے میں تھے' اُن کو واپس دے دے' ورنہ اس کے ساتھ جنگ کرے گا۔ شہنشاہ فریڈرک کا یہ اصل خط اور سلطان صلاح الدین ایوبی کا جواب کروسیڈ کی تاریخوں میں محفوظ ہیں۔ فریڈرک کے خط سے معلوم ہوتا ہے کہ صلاح الدین نے اس سے پہلے بھی کبھی کوئی خط فریڈرک کو لکھا تھا۔ چنانچہ فریڈرک اپنے خط کے آغاز میں لکھتا ہے:

> ''آپ کے خط کے جواب میں ہم خط لکھنے والے تھے' لیکن اب یہ سُن کر کہ آپ نے ارضِ مقدس کو ناپاک کیا ہے اور ایک مجرمانہ دلیری کی ہے' ہم با اختیارات شہنشاہی دائی اور محافظ فلسطین وغیرہ' آپ کو بارہ ماہ کی مہلت اِس مقدس سرزمین کے خالی کرنے اور عیسائیوں کے اطمینان کے لیے دیتے ہیں' ورنہ آپ کے خلاف جنگ کریں گے''

اِس کے بعد خط میں کچھ شیخی بگھاری ہوئی ہے کہ ہم ایسے ہیں اور ویسے ہیں' اور عجیب بے سروپا باتوں کا ذکر ہے اور اپنی سلطنت کی عظمت اور بے شمار ساتھیوں کے ناموں سے ڈرایا ہے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے بھی اِس کا جواب ترکی بہ ترکی دیا اور اپنے ساتھیوں کے نام گنانے اور اپنی فوج کی طاقت و فضیلت وغیرہ بیان کرنے میں کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھی' اور جواب میں لکھا:

> ''عیسائی اگر امن اور خیریت چاہتے ہیں تو دو چار شہر جو اُن کے قبضے میں رہ گئے ہیں' اُن کو چھوڑ کر چلے جائیں' ورنہ وہ بھی اِسی طرح بزورِ شمشیر فتح کیے جائیں گے۔''

فریڈرک ایک لاکھ منتخب فوج لے کر روانہ ہوا اور ہنگری اور بلغاریہ کو طے کر کے یونانی سلطنت میں داخل ہوا۔ قسطنطنیہ میں آئزک انگلیس تخت نشین تھا۔ اُس کے بارے میں عیسائی مؤرخین شکایت کرتے ہیں کہ اُس نے شہنشاہ فریڈرک سے عہد و پیمان کرنے کے ساتھ ساتھ سلطان صلاح الدین سے بھی ہمدردانہ خط و کتابت کی اور یورپی حملہ آوروں کے خلاف جنگ کرنے کی سازش کی اور صلیبی رضا کاروں سے لڑائی بھی کر گزرا' مگر شکستیں کھا کر خاموش ہو رہا۔ یونانیوں سے گزر کر قونیہ کے ترکوں سے فریڈرک کی فوج کو مقابلہ پیش آیا' مگر وہ بڑھتا ہی چلا گیا۔ کوہ طُور کو عبور کر کے شام کی طرف روانہ ہُوا۔ مگر دریائے سلف کے کناروں سے آگے بڑھنا اُس کی قسمت میں نہیں تھا۔ بعض مؤرخ کہتے ہیں کہ نہانے کے لیے دریا میں گھُسا تھا' اور بعض کا قول ہے کہ دریا عبور کے لیے اُس نے گھوڑا دریا میں ڈالا تھا۔ غوطے کھاتا ہوا نیم جان دریا سے نکالا گیا اور تھوڑی دیر کے بعد یروشلم کی طرف منہ کیے ہوئے' جس کو مسلمانوں کے قبضے سے چھڑانے آیا تھا' مگر اُس کی فصیل کا دیکھنا بھی اُس کے نصیب میں نہیں تھا۔ چنانچہ وقت کا سب سے بڑا عیسائی بادشاہ دنیا سے رخصت ہو گیا۔ اُس کی فوج نے اُس کی موت پر بہت گریہ وزاری کی اور اُس کی ہڈیوں کو بیت المقدس میں دفن کرنے کے واسطے جمع کیا' مگر اس سرزمین میں اُس کو قبر بھی حاصل نہیں ہوئی۔

اب عیسائی فوج کی قیادت شہنشاہ فریڈرک کے بیٹے فریڈرک ڈیوک آف سوابیا کے سپرد ہوئی' مگر بھوک' تکان اور بیماریوں سے اس قدر نقصان ہوا کہ ایک لاکھ فوج میں سے سات سو سوار اور پانچ ہزار پیادے باقی رہ گئے تھے' جو آخرکار عکہ کا محاصرہ کرنے والی عیسائی فوج کے ساتھ شریک ہو گئے۔

ہم اِس سلسلے کی کسی پچھلی قسط میں ذکر کر آئے ہیں کہ سلطان ایوبی نے عیسائی بادشاہ گوئی کو' جو جنگ حطین میں مسلمانوں کے ہاتھ میں قید ہو گیا تھا' انجیل پر قسم کھلوا کر کہ وہ سلطان کے برخلاف کبھی ہتھیار نہیں اٹھائے گا' قید اور غلامی سے آزاد کر دیا تھا۔ سلطان کی غلطی یہی تھی کہ اُس نے عیسائی بادشاہ کی جھوٹی قسم پر اعتبار کر لیا تھا۔ گوئی نے قید سے آزاد ہوتے ہی سب سے اوّل اپنے پادری سے اس قسمیہ عہد و پیمان کو کالعدم کرایا اور اپنی کھوئی ہوئی حکومت کو پھر حاصل کرنے کے مقصد سے عیسائیوں کو طلب کیا' مگر اُس وقت انہوں نے اِس کی حمایت و شراکت کو نامنظور کیا۔ تاہم نو دس ہزار عیسائی اُس نے اپنے گرد جمع کر لیے اور عکہ کے محاصرے کا ارادہ کر کے عکہ کی جانب بڑھا۔ (جاری ہے)

تنظیم اسلامی کا پیغام
نظام خلافت کا قیام

مدرسہ ضیاء العلوم تعلیم القرآن پر امریکی جارحیت

ہمارا گھناؤنا کردار

محسوس ہوتا ہے کہ پھتو صرف دیہات تک محدود نہیں بلکہ قومیں اور ملک بھی پھتو ہو سکتے ہیں‘ بدقسمتی سے ہم امریکہ کے پھتو کا کردار ادا کر رہے ہیں

جاوید چودھری

پھتو اندرون پنجاب کے بڑے دلچسپ کردار ہوتے ہیں۔ یہ لوگ عموماً کمی خاندانوں سے تعلق رکھتے ہیں اور ان کی زندگی کا واحد مقصد چودھریوں کے جرائم کی سزا بھگتنا ہوتا ہے۔ پنجاب کے وڈیرے‘ سردار اور چودھری اپنے کمیوں میں سے مضبوط قد کاٹھ کے نوجوان الگ کر لیتے ہیں اور انہیں پھتو کا عہدہ دے کر اپنا قرب عنایت کر دیتے ہیں‘ جس کے بعد یہ لوگ خصوصی سلوک کے مستحق ہو جاتے ہیں۔ پنجاب کے چودھری‘ سردار اور وڈیرے عموماً ظالم ہوتے ہیں۔ یہ لوگ کمزوروں کے ساتھ زیادتی کر کے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ آج سے سو پچاس برس پہلے ان کی زیادتیاں بے لگام ہوتی تھیں اور یہ لوگ اگر دس بیس بندے قتل بھی کر دیتے تو کوئی ان کے سامنے آہ تک نہیں کرتا تھا۔ لیکن جب انسانی حقوق کا دور شروع ہوا اور قانون نے پھیل کر چھوٹے فرعونوں کو اپنے دائرے میں لے لیا تو یہ لوگ پھتو کا ”محکمہ“ بنانے پر مجبور ہو گئے۔ اب یہ لوگ ظلم کرتے ہیں‘ عورتوں کو اغوا کرتے ہیں‘ ان کی آبرو ریزی کرتے ہیں‘ دشمنوں پر تشدد کرتے ہیں اور گاؤں کے گاؤں قتل کر دیتے ہیں‘ لیکن جب پولیس آتی ہے تو ان کا کوئی نہ کوئی پھتو آگے بڑھ کر چودھری صاحب کا جرم اپنے سر لے لیتا ہے‘ جس کے بعد پھتو پولیس‘ کچہریوں اور جیلوں میں چودھری صاحب کے حصے کی سزا بھگتتا ہے۔ چودھری صاحبان اس کی غیر موجودگی میں اس کے خاندان کا خیال رکھتے ہیں۔ پھتو جب ”سزا“ کاٹ کر واپس آتے ہیں تو چودھری اس کے اعزاز میں بہت بڑی تقریب کا اہتمام کرتے ہیں جس میں ان کی قربانیوں اور وفاداریوں کا خصوصی تذکرہ کیا جاتا ہے۔

میں نے خود ایک بار اپنی آنکھوں سے ایک شخص کو پھتو بنتے دیکھا۔ میں ڈی جی خان کے ایک سردار صاحب کے ساتھ سفر کر رہا تھا۔ سردار صاحب میرے ساتھ گفتگو بھی فرما رہے تھے اور ڈرائیونگ بھی کر رہے تھے۔ یہ رات کا وقت تھا۔ دوران سفر ہماری لینڈ کروزر ایک چھوٹی ایف ایکس کے ساتھ ٹکرا گئی۔ حادثہ شدید تھا۔ ہم لوگ بڑی گاڑی میں ہونے کی وجہ سے صاف بچ گئے‘ لیکن ایف ایکس کے سارے مسافر موقع پر دم توڑ گئے۔ سردار صاحب نیچے اترے۔ انہوں نے ایف ایکس کا جائزہ لیا۔ اپنے گارڈز میں سے ایک لمبے تڑنگے نوجوان کو قریب بلایا۔ لینڈ کروزر کی چابی اس کے حوالے کی اور مجھے دوسری گاڑی میں بٹھا کر آگے روانہ ہو گئے۔ میرے لئے یہ انتہائی خوفناک صورتحال تھی۔ میں حادثے میں مرنے والوں کے لئے سوگوار تھا‘ جبکہ سردار صاحب ڈرائیونگ اور میوزک سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ سردار صاحب نے میری طرف دیکھا‘ مجھے تسلی دی اور دوبارہ گفتگو میں مصروف ہو گئے۔ میرے اوسان ذرا سے بحال ہوئے تو میں نے ان سے پوچھا: ”حادثے میں مرنے والوں کا کیا بنے گا؟“ انہوں نے فرمایا: ”میرہ بندہ ٹیک کیئر کر لے گا“۔ میں نے پوچھا: ”اگر پولیس کیس بن گیا تو؟“ انہوں نے مسکرا کر جواب دیا: ”میرا بندہ یہ جرم اپنے سر لے لے گا اور میری جگہ گرفتار ہو جائے گا“ میں نے حیران ہو کر پوچھا: ”اس کے بعد کیا ہو گا“ وہ بولے: ”اس کے بعد میں اپنے بندے کو چھڑانے کی

> **اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتا ہوں‘ واقعہ کربلا ہمارے دور میں پیش نہیں آیا ورنہ ہم خدانخواستہ حضرت امام حسینؓ کی شہادت کو بھی اپنا کارنامہ قرار دے دیتے‘ ہم اس معاملے میں بھی پھتو بن جاتے۔**

کوشش کروں گا۔ سفارش اور رشوت کا سہارا لوں گا‘ اگر کامیابی نہ ہوئی تو میں اچھے سے اچھے وکیل کا بندوبست کروں گا۔“ میں نے پوچھا: ”اور اگر اس کے بعد بھی وہ رہا نہ ہوا تو؟“ انہوں نے قہقہہ لگایا ”تو پھر کوئی بات نہیں۔ وہ میری جگہ پولیس کی مار کھائے گا اور جیل میں رہے گا‘ یہ اس کی جاب ہے۔“ میں نے زندگی میں پہلی بار اس نوعیت کی جاب سنی تھی۔

یہ ہوتے ہیں پھتو۔ آپ نے اکثر اخبارات میں خبریں پڑھی ہوں گی‘ فلاں وڈیرے نے اتنے ہاریوں کے ساتھ مل کر فلاں خاتون کی آبرو ریزی کی۔ میں جب شروع شروع اس قسم کی خبریں پڑھتا تھا تو سوچتا تھا وڈیرے اس ”نیک“ کام میں اپنے ہاریوں کو کیوں شامل کر لیتے ہیں۔ میں نے سردار صاحب جیسے لوگوں سے اس بارے میں پوچھا تو پتہ چلا کہ یہ پھتو ہوتے ہیں اور وڈیرے خود کو قانون سے بچانے کے لئے انہیں استعمال کرتے ہیں۔ پتہ چلا جب وڈیرے کسی خاتون کے ساتھ زیادتی کرتے ہیں تو وہ بعدازاں خاتون کو اپنے پھتوؤں کے حوالے کر دیتے ہیں‘ تا کہ اگر ”خدانخواستہ“ پولیس کیس بن جائے اور طبی معائنہ ہو تو سردار صاحب بچ جائیں اور سزا کا پھندہ اس پھتو کے گلے میں آ پڑے جس نے آخری مرتبہ خاتون کے ساتھ زیادتی کی تھی۔ اسی طرح وڈیرے عیاشی سے پہلے اپنی ہدف عورتوں کو پھتوؤں کے نکاح میں دے دیتے ہیں۔ یہ نکاح کاغذی ہوتے ہیں اور وہ خواتین وڈیروں کے حرم سراؤں میں رہتی ہیں۔ یہ بندوبست بھی قانون کی مداخلت سے بچنے کے لئے کیا جاتا ہے۔ پھتو اپنے اس کردار سے بخوبی واقف ہوتے ہیں‘ لہٰذا وہ چپ چاپ چودھریوں‘ سرداروں اور وڈیروں کے جرموں کی ہتھکڑیاں پہن لیتے ہیں‘ کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اگر انہوں نے اس نظام میں زندہ رہنا ہے تو انہیں سرداروں کے نفسیاتی امراض کا ایندھن بننا پڑے گا‘ انہیں اپنے ناکردہ جرائم کی سزا بھگتنا پڑے گی۔ چنانچہ جب بھی کوئی چودھری کسی پھتو کی طرف اشارہ کرتا ہے تو وہ چپ چاپ آگے بڑھتا ہے‘ اپنا کان چودھری کے منہ کے قریب لاتا ہے اور اس کے بعد چودھری جو حکم دیتا ہے پھتو اسے ازبر کر کے پولیس کے سامنے پیش ہو جاتا ہے۔ ہمارے دیہات کے وڈیرے اپنے پھتوؤں کی تعداد پر فخر بھی کرتے ہیں اور انہیں اپنے دوست وڈیروں کو ”ادھار“ بھی دیتے رہتے ہیں۔

میں 30 اکتوبر 2006ء تک یہ سمجھتا تھا کہ یہ روایت صرف ہمارے دیہات تک محدود ہے‘ لیکن جب پیر کی صبح باجوڑ ایجنسی کے علاقے ڈومہ ڈولا میں بعض نامعلوم طیاروں نے ایک دینی مدرسے پر میزائل داغے اور اس حملے میں 83 طالب علم اور اساتذہ شہید ہو گئے اور ہماری حکومت نے اس نامعلوم حملے کا جرم اپنے سر لے لیا تو مجھے محسوس ہوا کہ پھتو صرف دیہات تک محدود نہیں ہیں بلکہ یہ قومیں اور ملک بھی ہو سکتے ہیں‘ اور بدقسمتی سے ہم نہ صرف امریکہ کے پھتو کی حیثیت سے کام کر رہے ہیں بلکہ چودھری بش صاحب کے تمام جرائم اپنے سر لینا ہماری قومی اور ملی ذمہ داری ہے۔

آج اس حملے کو چار دن گزر چکے ہیں‘ ان چار دنوں میں ثابت ہو چکا ہے کہ مولانا لیاقت کے اس مدرسے میں صرف غریب طالب علم پڑھتے تھے اور مدرسے میں کوئی شرپسند نہیں تھا‘ امریکہ کے ذرائع ابلاغ اعتراف کر رہے ہیں کہ اس مدرسے پر امریکی طیاروں نے محض شک کی بنیاد پر حملہ کیا تھا اور اس حملے میں 83 بے گناہ اور معصوم بچے شہید ہو گئے تھے۔ لیکن اس کے باوجود ہم لوگ رضاکارانہ پھتو بن چکے ہیں‘ ہم یہ جرم اپنے سر لے رہے ہیں‘ کیوں؟ میرا خیال ہے ہم لوگ اقوام عالم میں اپنے لئے پھتو کا کردار پسند فرما چکے ہیں اور ہم غلامی کی اس سطح تک پہنچ چکے ہیں جہاں غلام اپنی غلامی پر فخر کرنے لگتے ہیں۔ میں جب بھی اس صورتحال پر غور کرتا ہوں تو میرا دل چاہتا ہے میں امریکہ کا شکریہ ادا کروں کیونکہ مجھے محسوس ہوتا ہے یہ امریکہ کی خاص مہربانی ہے کہ اس نے ابھی تک پاکستان کی تمام مسجدوں اور مدرسوں پر حملوں کا فیصلہ نہیں کیا‘ اس نے ابھی تک ہمیں کلمہ پڑھنے (باقی صفحہ 9 پر)

☆ ''صلاۃ التسبیح'' کا شرعی حکم کیا ہے؟ ☆ نمازی کے سامنے شیشہ ہو تو کیا نماز ہو جائے گی؟

☆ عورت جہاد میں کیسے شرکت کرے؟

☆ اگر گناہ دیکھ کر دل نہ کڑھتا ہو تو کیا ایسے شخص کا ایمان نہیں رہا؟

قارئین ندائے خلافت کے سوالات کے قرآن و سنت کی روشنی میں جوابات

س: سرکاری دفاتر میں ڈیوٹی ٹائم صبح 9 بجے سے شام 5 بجے تک ہے۔ اکثر لوگ دو ڈھائی بجے گھر چلے جاتے ہیں۔ کیا یہ درست ہے؟ (حافظ ندیم الحسن)

ج: ایفائے عہد کی دین میں بہت اہمیت ہے۔ دفتری اوقات کی پابندی قانوناً اور شرعاً واجب ہے۔ اس معاملے میں تساہل درست نہیں!

س: شوہر پردہ نہ کرنے دے تو عورت کیا کرے؟ (محمد نعیم عابد)

ج: مرد کے لیے قطعاً جائز نہیں کہ وہ بیوی کو ایک شرعی فرض سے روکے۔ اس پر لازم ہے کہ اپنی استطاعت کے بقدر بیوی کو پردہ کا حکم کرے۔ لیکن اگر سمجھانے بجھانے کے باوجود نہ مانے تو اس بنیاد پر میاں بیوی میں علیحدگی نہیں ہونی چاہیے بلکہ حکمت کے ساتھ معاملے کو چلانا چاہیے۔ اس لیے کہ امت میں بعض علماء کی رائے یہ بھی رہی ہے کہ چہرے کا پردہ واجب نہیں بلکہ مستحب ہے۔

س: عورت جہاد میں کیسے شرکت کرے؟ (سعدیہ خان)

ج: عورت کے لیے بہتر ہے کہ وہ گھر میں دینداری کا ماحول بنائے' فرائض و واجبات کی پابندی کرے' گناہوں سے بچے۔ اپنے بچوں اور متعلقین کو بھی اس کی ترغیب دے۔ مجاہدین کے لیے دعاؤں کے ساتھ اگر ممکن ہو تو اسلام کی سربلندی کے لیے مالی تعاون کرتی رہے۔ کسی ایسی جماعت میں شامل ہو کر اس کے نظم کی پابندی کرے' جو سنت کے مطابق اقامت دین کی جدوجہد کر رہی ہو۔ عورت کے لیے یہی جہاد ہے۔

س: اگر گناہ دیکھ کر دل نہ کڑھتا ہو تو کیا ایسے شخص کا ایمان نہیں رہا؟ (شیخ نجم الدین)

ج: قرآن و حدیث میں ایسی کیفیت کے بارے میں جو تعلیمات وارد ہوئی ہیں' ان کی تعبیر اہلسنت کے نزدیک یہ ہے کہ ایسے شخص کا ایمان اتنا کمزور ہے کہ وہ حقیقت میں ایماندار کہلائے جانے کے لائق نہیں ہے۔ اگرچہ اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس کے پاس سرے سے ایمان ہے ہی نہیں کہ وہ کافر اور مرتد ہو گیا ہے۔ البتہ اگر کسی شخص کو کسی گناہ کے بارے میں یقینی طور پر معلوم ہو کہ یہ عمل شریعت میں ناجائز اور حرام ہے لیکن وہ طبعی رغبت کے ساتھ عقلاً اسے اچھا سمجھتا ہو تو ایسا شخص واقعی دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ (اعاذ ناللّٰہ منہ)

س: نمازی کے سامنے شیشہ ہو تو کیا نماز ہو جائے گی؟ (شمس الدین ضیاء)

ج: اگر شیشہ نمازی کے اس طرح سامنے ہو کہ نمازی کو اپنا عکس بہت واضح نظر آتا ہو اور اس کی وجہ سے نماز سے توجہ ہٹتی ہو تو ایسے شیشے کے سامنے کھڑے ہو کر نماز پڑھنا ناپسندیدہ عمل ہے۔ اس جگہ کو چھوڑ کر کسی دوسری جگہ نماز پڑھنا بہتر ہے۔

س: ''صلاۃ التسبیح'' کا شرعی حکم کیا ہے؟ (انعام اللہ)

ج: ''صلاۃ التسبیح'' کے بارے میں ایک بات ذہن میں رہے کہ اس روایت کی صحت وضعف کے بارے میں بھی علماء کا اختلاف ہے۔ بعض علماء اس روایت کو ''صحیح'' کہتے ہیں بعض ''حسن''، بعض ''ضعیف'' اور بعض ''موضوع'' کہتے ہیں۔ علامہ البانی نے ''صحیح الترغیب والترہیب'' میں ''صلاۃ التسبیح'' کی روایت کو ''صحیح'' کہا ہے جبکہ امام ہیثمی نے مجمع الزوائد میں اس روایت کو ''ضعیف'' کہا ہے۔ علامہ ابن جوزی نے اس روایت کو اپنی کتاب میں ''موضوع'' کہا ہے۔ امام ابن العربی نے کہا ہے کہ ''صلاۃ التسبیح'' کے بارے میں کوئی بھی ''حسن'' یا ''صحیح'' حدیث مروی نہیں ہے۔ امام ابن تیمیہؒ نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔ جبکہ امام نووی نے بھی اس حدیث کو ''ضعیف کہا ہے''۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ صلاۃ التسبیح کی نماز ائمہ اربعہ میں سے کسی سے بھی ثابت نہیں ہے بلکہ امام احمد نے صلاۃ التسبیح کی حدیث کو ''ضعیف'' کہا ہے۔

امام ذہبی نے میزان الاعتدال میں اس حدیث کو ''منکر'' کہا ہے۔ ابن حجر عسقلانی نے اس حدیث کو ''حسن'' کہا ہے۔ علامہ عجلانی نے کہا ہے کہ اس بارے میں کوئی بھی روایت صحیح ثابت نہیں ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ علماء کی اکثریت اس حدیث کے ضعف کی قائل ہے۔ ہمارے خیال میں اس مسئلے میں بہترین طرز عمل توقف ہے کہ نہ ہی اس کا اقرار کیا جائے اور نہ ہی انکار کیا جائے۔ بلکہ اسے مباحات میں سے سمجھا جائے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

✿✿ ضرورت رشتہ ✿✿

☆ کشمیری فیملی کی لڑکی' عمر 22 سال' تعلیم ایف اے کے لئے برسر روزگار دینی مزاج کے گھرانے سے رشتہ درکار ہے۔ ذات پات کی کوئی قید نہیں
رابطہ: سلیم الدین خواجہ: 0300-4266453 7283326
☆☆☆
☆ لاہور میں رہائش پذیر دینی و تحریکی مزاج کی حامل' صوم وصلوٰۃ کی پابند خاتون (مطلقہ مع ایک بچہ) کے لیے جو ایک سکول میں پڑھا رہی ہیں دینی و تحریک مزاج کا حامل رشتہ درکار ہے۔
برائے رابطہ: 0301-4576107

کالم ''تفہیم المسائل'' میں سوالات بذریعہ ڈاک یا ای میل ایڈریس media@tanzeem.org پر بھیجے جا سکتے ہیں۔

دورۂ ترجمۃ القرآن نے لوگوں کی زندگیاں بدل دیں!

مسجد جامع القرآن' قرآن اکیڈمی' لاہور میں ہونے والے دورۂ ترجمۂ قرآن کے شرکاء کے تاثرات

مرتب: محبوب الحق عاجز

قرآن حکیم کی دعوت بندۂ مومن کی بنیادی دینی ذمہ داری ہے۔ اِس ذمہ داری کی ادائیگی میں غفلت برتی جائے' تو فرد اور سماج دونوں ربانی ہدایت سے دور ہوتے چلے جاتے ہیں اور سوسائٹی میں بے دینی و الحاد کا دور دورہ ہوتا ہے۔ اِس کی ادائیگی ہی سے معاشرہ راستی پر قائم رہ سکتا ہے۔ دعوت قرآنی ہی وہ ذریعہ ہے جس سے بندگان خدا کے دلوں میں نور ایمانی کی شمع فروزاں ہوسکتی ہے۔ ایمان کی وہ شمع کہ جس سے جاہلانہ عقائد' باطل نظریات' غلط رسوم وروایات اور ظالمانہ رویوں کے اندھیرے نابود ہوتے ہیں۔ انسان ماسوا اللہ سے کٹ کر اپنا تعلق اللہ سے قائم کرتا ہے۔ اِسی سے اُس کے دل میں ایک طرف اپنی انفرادی زندگی میں اللہ کی بندگی بجالانے کا ولولہ پیدا ہوتا ہے اور دوسری طرف سماجی اصلاح کی تڑپ اور اجتماعی سطح پر قائم طاغوتی نظام سے تنفر اور اُسے تبدیل کر کے الٰہی نظام کے قیام کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

پیغام قرآنی کی اشاعت کے لئے رمضان المبارک کا مہینہ خصوصی اہمیت رکھتا ہے' کیونکہ اِس ماہ مبارک کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ یہ قرآن کا مہینہ ہے' کیونکہ اس میں قرآن حکیم کا نزول ہوا۔ پھر اس کی خاص بات یہ ہے کہ یہ نیکیوں کی فصل بہار ہے۔ اِس ماہ شیاطین کو قید کر دیا جاتا ہے۔ چنانچہ ہر شخص کے دل میں نیکی اور خیر و بھلائی کے کاموں کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے۔ دلوں کی بنجر زمین میں بھی روئیدگی کے آثار پیدا ہو جاتے ہیں۔ ایسی فضا ایک داعی دین کے لئے بہترین موقع ہوتا ہے کہ وہ اللہ کے پیغام سے بندگان خدا کو روشناس کرائے۔

بانی تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد نے' جنہیں اللہ تعالیٰ نے خدمت قرآنی کا وافر جذبہ عطا فرمایا' تیئس سال قبل جامع القرآن' قرآن اکیڈمی' لاہور میں دعوت قرآنی کے فروغ کے لئے ماہ رمضان المبارک میں اپنی نوعیت کے ایک منفرد پروگرام کا آغاز فرمایا۔ یہ پروگرام دورۂ ترجمہ قرآن حکیم کا تھا۔ جو نماز تراویح کے ساتھ ساتھ چلتا رہتا تھا۔ مقصد یہ تھا کہ ترجمۂ قرآن کے ذریعے عامۃ المسلمین کو پیغام قرآنی سے کسی حد تک روشناس کرایا جا سکے۔ بفضلہٖ تعالیٰ اِس سلسلہ کو قبول عام حاصل ہوا۔ چنانچہ ملک کے طول و عرض میں بہت سے مقامات پر دورۂ ترجمہ قرآن یا کم از کم خلاصۂ قرآنی کے پروگرام ہونے لگے۔

اس سال بھی تنظیم اسلامی کے پلیٹ فارم سے ملک کے بہت سے شہروں کی مختلف مساجد یا دیگر پبلک مقامات پر دورۂ ترجمہ قرآن کے پروگرام ہوئے۔ اِس سلسلے کا مرکزی پروگرام جامع القرآن قرآن اکیڈمی لاہور میں ہوا۔ اس پروگرام میں دورۂ ترجمہ قرآن کی ذمہ داری بانی تنظیم اسلامی کے فرزند ارجمند ڈاکٹر عارف رشید نے ادا کی۔ یہ پروگرام نماز عشاء بوقت آٹھ بجے شروع ہو کر رات دو بجے اختتام پذیر ہوتا رہا۔ زندہ دلان لاہور کی کثیر تعداد نے اِس میں شرکت کی۔ پروگرام کے اختتام پر مختلف شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے افراد سے اس بارے میں رائے لی گئی۔ شرکاء کے تاثرات ملاحظہ کیجئے۔

محمد شہزاد (منیجر اکاؤنٹس کسان سپلائرز سروز لمیٹڈ)
ٹاؤن شپ' لاہور

آج کے دور میں دورۂ ترجمہ قرآن کا پروگرام اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ اگر لوگوں کو اِس کا اندازہ ہو جائے تو حاضری کے لئے یہ جگہ ناکافی ہوگی۔ جہاں تک مدرسین کا تعلق ہے وہ واقعی لوگوں میں دین کا حقیقی تصور عام کرنا چاہتے ہیں۔

فیصل آفاق (فنانشل تجزیہ نگار چھو گرافکس)
ٹاؤن شپ لاہور

جب سے میں نے دورۂ ترجمہ القرآن سننا شروع کیا ہے اُس کے بعد سے مجھے کہیں اور تراویح پڑھنے کا مزہ نہیں آتا۔ میں نے دیکھا ہے کہ لوگ یہاں دُور دُور سے سننے کے لئے آتے تھے۔ لہٰذا اِس کام کو مزید دوسری جگہوں میں شروع کیا جائے تا کہ لوگوں کو دور سے نہ آنا پڑے۔

فیصل ملک' پرنسپل (پرائیویٹ سکول) یٰسین ٹاؤن' ملت روڈ لاہور

میں پچھلے آٹھ سال سے دورۂ ترجمہ القرآن سُن رہا ہوں اور ہر سال ایک نئے جذبے کے ساتھ اِس میں شامل ہوتا ہوں' کیونکہ زندگی کی مصروفیات اِنسان کو سال کے گیارہ ماہ میں دورۂ ترجمہ قرآن کی باتیں بھلا دیتی ہیں۔ لہٰذا ہر سال تذکیر کی ضرورت پڑتی ہے اور میں اپنے دِل میں نیک جذبات کو پروان چڑھانے اور اپنے افکار کی اصلاح کے لئے دورۂ ترجمہ القرآن سنتا ہوں۔ قرآن مجید کی آیات کا ترجمہ سُن کر ایسے لگتا ہے کہ گویا قرآن میری ہی بات کر رہا ہے۔

عمر عبدالرحمٰن (ٹیچر) نارتھ کراچی' کراچی

میری رائے ناقص ہے کہ دورۂ ترجمہ قرآن کا یہ میرا سب سے پہلا تجربہ ہے مگر میں شکر ادا کرتا ہوں اپنے رب کا کہ جس نے مجھے اس کی توفیق بخشی اور ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کو خراج تحسین پیش کرتا ہوں کہ انہوں نے قیام اللیل کی روایت کو برصغیر میں ایک نئی جہت دی۔ الحمد للہ' یہ ایک بنیادی تقاضا تھا' جس کے احیاء کی سعادت خدام القرآن کو حاصل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ انہیں اِس کا اجر عطا فرمائے اور اِسے ہمارے لئے حصول ایمان کا ذریعہ بنائے۔ آمین!

خالد یعقوب' (بزنس مین شان بناسپتی گھی)'
لنک روڈ' ماڈل ٹاؤن لاہور۔

میں نے پہلی دفعہ 1990 میں ڈاکٹر اسرار احمد کا دورہ ترجمہ سنا تھا۔ مجھے ایسے محسوس ہوا کہ میرے لیے قرآن مجید آج ہی نازل ہوا ہے۔ مجھے سولہ سال ہو گئے ہیں' اور جب بھی میں پاکستان میں ہوتا ہوں تو دورۂ ترجمہ قرآن ضرور سنتا ہوں۔ 1990 میں میری عمر 35 سال تھی مگر ایک مسلمان کی حیثیت سے مجھے معلوم ہی نہ تھا کہ قرآن مجید کیا کہتا ہے۔ اُس کا پیغام کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ دورۂ ترجمہ قرآن نے بہت سے لوگوں کی زندگیاں بدل دیں۔

طارق قریشی ہاشمی (ڈاکٹر فارمیسی)' ماڈل ٹاؤن لاہور

دورۂ ترجمہ قرآن کے یہ پروگرام ہماری قوم پر ڈاکٹر اسرار احمد کا احسان ہے اور جو لوگ ایسے پروگراموں میں شرکت کی سعادت سے محروم ہیں اُنہیں چاہیے کہ دینِ اسلام کی صحیح روح کو جاننے کے لئے ان کو attend کریں۔ میں ذاتی طور پر اِس کی ضرورت شدت سے محسوس کرتا ہوں۔ اور سمجھتا ہوں کہ اِس نے میری زندگی بدل کر رکھ دی۔

چوہدری محمد شفیق (رئیل اسٹیٹ پراپرٹی ڈیلر)
ابدالین ہاؤسنگ سوسائٹی لاہور

1988ء میں پہلی بار ڈاکٹر صاحب کا دورۂ ترجمہ قرآن سنا۔ ہر آیت کو سننے کے بعد ایسا لگا کہ یہ میرے لئے آئی ہے۔ جیسے جیسے قرآن مجید کے احکامات سنتا گیا میں اپنی اصلاح کرتا گیا۔ یہ ڈاکٹر صاحب کی بہت بڑی محنت ہے۔ اس کام کا حاصل یہ ہے کہ اب اکثر مساجد میں قرآن مجید کا خلاصہ بیان کیا جاتا ہے' جس میں کوئی فرقہ ورانہ بات نہیں ہوتی۔ ڈاکٹر صاحب کے لئے ہم دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ پروگرام اجرِ عظیم عطا فرمائے۔

تجویز۔ اِس پروگرام کی زیادہ سے زیادہ ایڈورٹائزنگ کرنی چاہیے۔ اکیڈمی میں اعتکاف کا زیادہ سے زیادہ انتظام کرنا چاہیے تا کہ لوگ کم از کم آخری عشرے میں تو قرآن مجید کو سن سکیں۔

عمیر رشید (ڈاکٹر) شاہ جمال' لاہور

میں یہ سمجھتا ہوں کہ میری زندگی میں دورۂ ترجمہ قرآن کو سننے سے بہتر کوئی عمل نہیں۔ نہ جانتے ہوئے بھی قرآن مجید کے چند الفاظ نے میری زندگی پر بہت اثر ڈالا۔ میری یہ خواہش ہے کہ میرے جاننے والے اور گھر کے افراد آئندہ سال دورہ ترجمہ قرآن میں ضرور شامل ہوں۔

نصر اللہ رحمٰن (بزنس مین مینوفیکچرنگ) ماڈل ٹاؤن' لاہور

دورۂ ترجمہ قرآن نے مجھے واقعی انسان بننے میں مدد دی۔ کئی باتیں جو میں نہیں جانتا تھا اُن کا ادراک حاصل ہوا۔ اِس سے قرآن مجید کو مزید سمجھنے کا شوق پیدا ہوا' اور اَب الحمد للہ قرآن مجید پر عمل کرنے کا جذبہ بیدار ہو چکا ہے۔

بنگلہ دیشی عبوری حکومت مشکلات میں

بنگلہ دیش میں جنوری 2007ء میں پارلیمانی انتخابات ہونے ہیں۔ اس ضمن میں صدر عزالدین کی سربراہی میں عبوری حکومت قائم ہو چکی ہے جو انتخابی عمل کا جائزہ لے گی۔ تاہم عبوری حکومت کو انتخابات کروانے میں مشکلات کا سامنا ہے۔ اس کی وجہ دو بڑی سیاسی جماعتوں کا اختلاف ہے۔ حسینہ واجد کی عوامی لیگ نے پچھلے دنوں صدر کے سامنے گیارہ مطالبات رکھے ہیں۔ ان میں سب سے پہلا مطالبہ یہ ہے کہ الیکشن کمیشن توڑ کر اس کی از سر نو تنظیم کی جائے۔

دوسری طرف سابق وزیر اعظم' خالدہ ضیا نے بھی دس مطالبات پیش کیے ہیں اور ان کا پہلا مطالبہ یہ ہے کہ الیکشن کمیشن کو نہ چھیڑا جائے۔ بیگم صاحبہ کی جماعت بنگلہ دیش نیشنلسٹ پارٹی نے صدر عزالدین سے کہا ہے کہ وہ عوامی لیگ کے غیر آئینی مطالبات ہرگز تسلیم نہ کریں۔ اب آنے والا وقت ہی بتائے گا کہ صدر موصوف کیا اقدام اٹھاتے ہیں۔

عوامی لیگ کا یہ بھی مطالبہ ہے کہ الیکشن کمیشن کے سربراہ' جسٹس ایم اے عزیز کو برطرف کر دیا جائے۔ عبوری حکومت کے بیشتر وزراء کا خیال ہے کہ انتخابات صاف و شفاف طریقے سے کروانے کے لیے ضروری ہے کہ الیکشن کمیشن کی تنظیم نو نئے سرے سے کی جائے۔ تاہم جسٹس عزیز نے مستعفی ہونے سے انکار کر دیا ہے۔ آئین کے مطابق پارلیمان یا ملک کا سپریم کورٹ ہی متفقہ فیصلے سے انہیں برطرف کر سکتا ہے۔ بنگلہ دیشی پارلیمنٹ 27 اکتوبر کو توڑ دی گئی تھی' جبکہ سپریم کورٹ نے جسٹس عزیز کو ہٹانے کے سلسلے میں کوئی کارروائی شروع نہیں کی۔

ایران کی پاکستان کو پیش کش

پاکستان میں متعین ایرانی سفیر نے پاکستانی وزیر برائے پانی و بجلی' لیاقت علی جتوئی سے ملاقات کرتے ہوئے پیش کش کی ہے کہ ایران' پاکستان کو سستی بجلی دینے کے لیے تیار ہے۔ یاد رہے کہ ایرانی پہلے ہی سوئی گیس فروخت کرنے کی بھی پیش کش کر چکے ہیں۔ پاکستان کو اس وقت 18 ہزار میگاواٹ بجلی کی ضرورت ہے جبکہ ملکی سطح پر 13500 میگاواٹ بجلی پیدا ہو رہی ہے۔ یہ کمی لوڈشیڈنگ کے ذریعے پوری کی جاتی ہے۔ لیاقت جتوئی نے ایرانی سفیر کو بتایا کہ حکومت پاکستان اس پیش کش پر سنجیدگی سے غور کرے گی۔

بھارتی فوجیوں کی خودکشیاں

بھارتی فوج کے سربراہ' جنرل جے جے سنگھ نے اعتراف کیا ہے کہ مقبوضہ کشمیر میں بھارتی فوج بڑے دباؤ والے ماحول میں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہاں ہر سال ایک سو فوجی خودکشی کر لیتے ہیں۔ پچھلے تین چار برسوں سے یہ صورت حال چلی آ رہی ہے۔ اس کے علاوہ درجنوں فوجی اپنے ہی ساتھیوں کے ہاتھوں بھی مارے جا چکے ہیں۔ پچھلے ہفتے سری نگر میں ایک فوجی نے اپنے افسر کو گولی مار کر ہلاک کر دیا تھا۔ یہ پچھلے دس دنوں میں اپنی نوعیت کا چوتھا واقعہ تھا۔

مقبوضہ کشمیر میں تعینات بھارتی فوجیوں کو دراصل احساس ہے کہ ان سے غلط ڈیوٹی لی جا رہی ہے اور نہتے اور معصوم کشمیریوں پر ظلم کرنے کا کہا جا رہا ہے۔ باضمیر بھارتی فوجی خوب جانتے ہیں کہ مقبوضہ کشمیر بھارت کا حصہ ہرگز نہیں۔ یہ بات ان کے دل کا بوجھ بن جاتی ہے اور پھر جان لے کر ہی چھوڑتی ہے۔ نہ جانے یہ بات بھارتی حکومت کا بوجھ کب بنے گی۔

روس نے مسودہ مسترد کر دیا

ایران پر پابندیاں عائد کرنے کے سلسلے میں امریکی حمایت سے برطانیہ' فرانس اور جرمنی نے جو مسودہ تیار کیا تھا' اُسے روس نے مسترد کر دیا ہے۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ نئے مسودے کی تیاری میں ہفتوں لگ جائیں گے۔ مذکورہ بالا طاقتیں سلامتی کونسل کے ذریعے ایران پر معاشی پابندیاں لگانا چاہتی ہے کیونکہ وہ اپنا ایٹمی منصوبہ ختم نہیں کر رہا۔ تاہم روس اور چین کی خواہش ہے کہ پابندیاں زیادہ سخت نہیں ہونی چاہئیں۔

صدام حسین کو سزائے موت

عراق کے ہائی ٹریبونل نے توقع کے مطابق عراقی صدر کو ''انسانیت کے خلاف جرائم'' کرنے کے جرم میں پھانسی کی سزا سنا دی ہے۔ صدام حسین اور ان کے سات ساتھیوں پر الزام تھا کہ 1980ء کے عشرے میں انہوں نے دجیل نامی گاؤں میں 148 شیعہ قتل کروائے تھے۔ 1982ء میں اسی جگہ صدام حسین پر قاتلانہ حملہ ہوا تھا جس میں وہ بال بال بچے تھے۔

یہ سزا سنانے سے قبل ان عراقی صوبوں میں سخت کرفیو نافذ کر دیا گیا تھا جہاں صدام حسین کے حامی کثرت سے ہیں۔ پھانسی کی خبر ملتے ہی ان کردوں اور شیعوں نے جشن منایا جنہیں صدام کے ہاتھوں نقصان پہنچا تھا۔ صدام کا دفاع کرنے والے وکلاء میں امریکا کے سابق اٹارنی جنرل' رمزے کلارک بھی شامل تھے۔ اُن کا کہنا ہے کہ یہ مقدمہ انصاف پر مبنی نہیں تھا اور فتح حاصل کرنے والوں نے من مانے طریقے سے اسے چلایا۔ نتیجتاً صدام حسین کو پھانسی کی سزا ہونی ہی تھی۔

اسرائیل کا ظلم جاری ہے

اسرائیلی فوج نے آج کل غزہ کی پٹی کے شہر بیت حنون کا محاصرہ کر رکھا ہے اور وہاں پچھلے پانچ دن سے اسرائیلی طیارے فلسطینیوں پر بمباری کر رہے ہیں۔ اس باعث بیت حنون میں چالیس سے زیادہ فلسطینی شہید ہو چکے ہیں۔ اسرائیل کا کہنا ہے کہ بیت حنون میں مقیم فلسطینی گوریلے وہاں سے اسرائیل میں راکٹ پھینکتے ہیں۔ انہیں ختم کرنے کے لیے یہ فوجی آپریشن کیا گیا ہے۔

بیت حنون فی الوقت کرفیو کی زد میں ہے جو اسرائیلی فوج نے لگا رکھا ہے۔ شہر میں تقریباً تیس ہزار فلسطینی بستے ہیں جو بڑی بے بسی کی زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔ وہ فریاد کرتے ہیں مگر ان کی فریاد سننے والا کوئی نہیں' کیونکہ امریکا سمیت تمام عالمی طاقتیں مسلمان حریت پسندوں اور مجاہدین سے لڑنے میں مصروف ہیں' انہیں اسرائیل جیسا دنیا کا سب سے بڑا دہشت گرد دکھائی نہیں دیتا جو پچھلے پچاس برس سے فلسطینیوں کو خون میں نہلا رہا ہے۔

افغانستان میں نیٹو پریشان

چار سال قبل جب امریکی فوج افغانستان میں اتری تھی' تو صدر بش نے بیان دیا تھا کہ افغانستان کی ترقی اور خوشحالی کا دور شروع ہو رہا ہے۔ لیکن آنے والے حالات نے اس بیان کو مذاق بنا کر رکھ دیا۔ دراصل امریکی افغان مزاج اور یہاں کی تہذیب و ثقافت سے ناآشنا تھے۔ انہیں اگر علم بھی تھا کہ افغان کسی غیر ملکی قوت کو برداشت نہیں کرتے' تو انہوں نے اس بات کو اہمیت نہیں دی۔ لیکن صرف چار برس بعد امریکیوں کو احساس ہو گیا کہ وہ کبھی افغانوں کے خلاف فتح حاصل نہیں کر سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے کچھ عرصہ قبل طالبان کے خلاف جاری جنگ کی سپہ سالاری نیٹو کو سپرد کر دی۔

اب پچھلے کئی دنوں سے افغانستان میں نیٹو کے جرنیلوں کے بیان آ رہے ہیں کہ اتحادی فوج طالبان کے خلاف نہیں لڑ سکتی کیونکہ اس کے پاس فوجی کم ہیں' اسلحہ کم ہے' وغیرہ وغیرہ۔

جارج بش: دنیا کا سب سے زیادہ خطرناک لیڈر

پچھلے دنوں دنیا کے ممتاز اخباروں نے یہ دیکھنے کے لیے سروے کرایا کہ دنیا کا سب سے زیادہ خطرناک لیڈر کون ہے۔ اس ضمن میں یہ دلچسپ انکشاف سامنے آیا کہ امریکی اتحادی ممالک کے عوام شمالی کوریا کے کم جونگ اور ایران کے احمدی نژاد سے زیادہ امریکا کے صدر بش کو خطرناک ترین رہنما سمجھتے ہیں۔

مثال کے طور پر برطانیہ میں 68 فیصد رائے دہندگان نے کہا کہ 2001ء سے امریکی پالیسی نے دنیا کا امن خطرے میں ڈال دیا ہے۔ صرف 8 فیصد نے عراق پر امریکی حملے کی حمایت کی۔ اسی طرح 62 فیصد کینیڈین اور 57 فیصد میکسیکن نے کہا کہ امریکی پالیسیوں کے باعث دنیا رہنے کے لیے نہایت خطرناک جگہ بن گئی ہے۔

تبصرۂ کتب

نام کتاب: قیامت سے پہلے تین قیامتیں

مؤلف: محمد نذیر یٰسین

صفحات: 153 قیمت: 80روپے

ملنے کا پتہ: مکتبہ الحسن' حق سٹریٹ' اُردو بازار لاہور

تبصرۂ نگار: محمد جہانگیر

گزشتہ دنوں دورانِ اعتکاف اپنے ایک رفیق جناب نذیر یٰسین صاحب کی کتاب ''قیامت سے پہلے تین قیامتیں'' پڑھنے کا اتفاق ہوا۔عزیزم کافی عرصے سے اس سلسلے میں مواد اکٹھا کرنے میں لگے ہوئے تھے تاکہ نبی اکرم ﷺ کی پیش گوئیوں کی روشنی میں چند حقائق بیان کئے جاسکیں۔ اس رمضان میں انہوں نے بتایا کہ ان کی کاوش آخرکار پایۂ تکمیل کو پہنچ کر زیورِ طبع سے آراستہ ہوگئی ہے۔انہوں نے کتاب کی ایک کاپی مجھے بھی مطالعہ کے لئے دی اور کہا کہ میں اس سلسلہ میں اپنی رائے سے آگاہ کروں۔کتاب کے مطالعے کے بعد ایسا محسوس ہوا کہ اس کے بارے میں کچھ نہ بیان کیا گیا تو اس کتاب کے ساتھ زیادتی ہوگی۔ دراصل یہ کتاب جن موضوعات پر لکھی گئی ہے اور جس طریقے سے تمام موضوعات کو موجودہ حالات پر منطبق کر کے نتائج اخذ کئے گئے ہیں' یقیناً لائق تحسین ہے۔اس سے یقینی طور پر مصنف کے بارے میں معلوم ہوتا ہے کہ نہ صرف یہ کہ ان کی موجودہ حالات پر گہری نظر ہے' بلکہ ان میں وہ صلاحیت بھی ہے جس کے تحت وہ حالات کے دھارے کو بھانپ سکتے ہیں۔سورۂ یٰسین قرآن مجید کا قلب ہے۔ہم سب لوگ اس کی تلاوت بھی کرتے ہیں اور ہم میں سے اکثر کو یہ سورت زبانی بھی یاد ہوگی' مگر اس میں مذکور ''اصحاب قریہ'' کے واقعہ سے جناب نذیر صاحب نے جس طور پر نتائج اخذ کئے ہیں وہ واقعی لائق تحسین ہے۔اسلام کے عالمی غلبے کے نقطۂ آغاز کے حوالے سے بانیٔ تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب پاکستان اور افغانستان کی سرزمین سے بہت پُراُمید رہے ہیں' لیکن بظاہر مستقبل قریب میں ایسا ممکن نظر نہیں آتا۔موجودہ مایوسی کی فضا میں یہ کتاب ہمیں امید کی کرن دکھاتی ہے اور ہمیں اس بات کا احساس ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید نہیں ہونا چاہیے۔

یہ کتاب یقینی طور پر ایک اچھی خرید ثابت ہوسکتی ہے' قیمت نہایت مناسب ہے اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ نہ صرف یہ کتاب خود پڑھنے کے لائق ہے بلکہ دوستوں کو بھی اس کا تحفہ دینا چاہیے۔

دعوتِ حق

ملک نصر اللہ خان عزیز

دعوتِ حق کی کشتی رواں ہے' ساتھیو آؤ ہاتھ بٹاؤ
موجیں برہم دُور کنارا' چپو تھامو زور لگاؤ
حق کے پُجاری تھوڑے تھوڑے طوفانوں سے لڑنے والے
کُفر کا ساتھی ایک زمانہ' بہتا ہے موجوں کے بہاؤ
چڑھتے سُورج کو کیوں پُوجو' ڈوبنے والا ہے وہ آخر
جس سے ارض وسما ہیں روشن' اُس کے آگے سر کو جھکاؤ
ان کی محبت جانِ تمنا' ان کا تصوّر جانِ محبت
ذکرِ محبت ان کا چھیڑو' بزمِ تصوّر ان کی سجاؤ
راگ ازل میں تم نے جو گایا' حق نے تمہیں جو گیت سنایا
دُنیا اس کو بھول رہی ہے دُنیا کو وہ یاد دلاؤ
اس دنیا کی ریت نرالی' مُنہ کی مومن دِل کی باغی
قول و عمل کو ایک بنا کر دُنیا کی یہ ریت مٹاؤ
عیش و تجمل کے یہ مشاغل' ان کی عزیزؔ بساط ہی کیا ہے
خدمتِ حق کا عیش دوامی' جان کی بازی اُس پہ لگاؤ

انتخاب: فرید اللہ مروت

بقیہ: اداریہ

مصیبت پڑی تھی کہ وہ امریکہ کے سامنے ڈٹ جاتے اور تخت یا تختہ کا نعرہ لگا کر میدان میں کود پڑتے۔اُنہوں نے اپنے مال و جان اور تخت کی سلامتی اِسی میں سمجھی کہ اس وحشیانہ قتل عام کو اپنے سر لے لؤ زیادہ سے زیادہ دو چار احتجاجی مظاہرے ہو جائیں گے' کچھ حکومت مخالف کالم لکھے جائیں گے' ایسا ہی ہوا اور اب راوی چین لکھ رہا ہے۔

بھارت کے ایک اپوزیشن رہنما پاکستان کا دورہ کر رہے تھے۔اُن سے کسی صحافی نے پوچھا' اگر بھارت میں مارشل لاء نافذ ہو جائے اور آپ کی مخالف حکومت ختم کر دی جائے تو آپ کا ردعمل کیا ہوگا۔ بھارتی لیڈر نے غصہ بھری آواز سے جواب دیا' یہ ناممکن ہے۔عوام سڑکوں پر نکل آئیں گے' اور میں تو اپنی جماعت کو لے کر ریلوے لائن پر دھرنا ماروں گا۔ہم نظام زندگی معطل کر دیں گے۔ایسا ردعمل متوقع ہو تو کون سی طاقت عوامی خواہشات کے خلاف قدم اٹھا سکتی ہے۔حقیقت یہ ہے کہ سانحۂ باجوڑ میں ہم سب شریک جرم ہیں۔اور یہ جو ڈرائنگ رومز میں بیٹھ کر ہم حالات کا رونا روتے رہتے ہیں اور اسلامی نظام کے زبانی کلامی گن گاتے رہتے ہیں' وہ بھی درحقیقت ہم اپنے خلاف چارج شیٹ مرتب کر رہے ہے۔ بچہ روئے نہ تو ماں دودھ نہیں پلاتی' ہمیں پلیٹ میں رکھ کر اسلامی نظام کون پیش کرے گا۔

Vol: 15 Regd. No. LRL -50 No. 41

Weekly **Nida-e-Khilafat** Lahore

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم

رفقائے تنظیم اسلامی کے نام

امیر تنظیم اسلامی کا پیغام

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

تنظیم اسلامی کا یہ کُل پاکستان اجتماع دو سال کے وقفے سے منعقد ہو رہا ہے۔ قبل ازیں اکتوبر ۲۰۰۴ء میں اس کا انعقاد، اسی مقام پر، یعنی فردوسی فارم دراجکے سادھوکی میں منعقد ہوا تھا۔ جبکہ گزشتہ سال یہ اجتماع کشمیر اور شمالی علاقہ جات میں ۸/اکتوبر کے ہولناک زلزلے کے نتیجے میں پیدا ہونے والی ہنگامی صورت حال کے باعث منسوخ کر دیا گیا تھا۔ میں اپنے تمام واجب الاحترام رفقاء و احباب کو اس اجتماع میں تشریف آوری پر اپنی جانب سے مرکزی ذمہ داران کی جانب سے خوش آمدید کہتا ہوں۔ اَھْلاً وَّ سَھْلاً

یہ اجتماع دراصل ان بندگانِ خدا کا اجتماع ہے جو ''یُرِیْدُوْنَ وَجْھَہٗ'' کے جذبے سے سرشار، ربّ کی رضا جوئی کی خاطر اپنی دینی ذمہ داریوں کی ادائیگی کا عزم لے کر، اللہ سے تجدید عہد وفا کر کے شریکِ قافلۂ تنظیم ہوئے ہیں۔ جو اپنی ذات اور اپنی حیات کو ہی نہیں، اپنے اہل خانہ، اپنے معاشرے اور اپنے وطن یہاں تک کہ ربّ کی پوری دھرتی کو اللہ کے دین کے تابع کرنے کی خاطر سعی پیہم کا عزم رکھتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ اپنے وجود پر اللہ کے دین کو قائم کرنے کے ساتھ ساتھ ملک و قوم اور ریاست و حکومت کی سطح پر بھی اللہ کی حاکمیت کے نظام کو قائم کرنے کی جہد مسلسل کرنا، اور اس راہ میں حائل باطل نظریات، باطل نظام اور باطل قوتوں سے ہر سطح پر پنجہ آزمائی کرنا ہمارے ایمان کا لازمی تقاضا اور نہایت اہم دینی فریضہ ہے۔ انہیں خوب معلوم ہے کہ اللہ جل شانہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے وفاداری کا امتحان پاس کرنے کے لئے ان مراحل سے گزرنا ناگزیر ہے۔ اَللّٰھُمَّ وَفِّقْنَا لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی

یہ اجتماع، قافلۂ تنظیم میں شریک تمام ساتھیوں کے لئے اللہ کی جانب سے عطا کردہ ایک بہترین موقع ہے جس میں ہمیں موقع ملے گا کہ:

(i) ''آ و سجدے میں گریں، لوحِ جبیں تازہ کریں'' کے مصداق اللہ تعالیٰ کے ساتھ عہد بندگی اور عہد وفا کی ازسرنو پورے عزم اور جذبہ کے ساتھ تجدید کریں۔

(ii) پاکستان کے طول و عرض سے ہی نہیں، بیرون پاکستان سے بھی آئے ہوئے اپنے ہم قافلہ ساتھیوں سے ملاقات اور اُن کے تعارف کا شرف حاصل کریں۔ دور دراز سے آئے ہم سفر ساتھیوں سے ملاقات نہ صرف باہم حوصلہ افزائی کا مُوجب ہوتی ہے اور اُس سے ''رُحَمَاءُ بَیْنَھُمْ'' کی مطلوبہ فضا جنم لیتی ہے بلکہ یہ چیز رب کی رضا کے حصول کا ایک اہم ذریعہ بھی ہے۔

(iii) اس تنظیمی و تحریکی فکر کو ایک بار پھر تازہ کریں جو قرآن و سنت سے ماخوذ دین کے ہمہ گیر تصور اور مطالبات دین پر مشتمل ہے۔

(iv) اور--- ''اُٹھ کہ خورشید کا سامان سفر تازہ کریں'' کے مصداق دین کی شہادت و اقامت کے اس مبارک کام کو تیز تر کرنے کی خاطر اک ولولۂ تازہ لے کر اجتماع گاہ سے رخصت ہوں۔

اَللّٰھُمَّ وَفِّقْنَا لِھٰذَا (آمین یا رب العالمین)